بکھرے خیالات

(اقبال کی ڈائری)

مترجم

ڈاکٹر عبدالحق

شعبۂ اُردو، دہلی یونی ورسٹی، دہلی

مخصوص ہے ہر ایک خاندان کا ایک "کل دیوتا ہے" اسکی پوجا بھی روزانہ ہے۔ اس دیوتا کو
کامی ڈانا کہتے ہیں۔ علاوہ سورگی دیوی دیوتاؤں اور دیگر جاپان کے بڑے بڑے دیوتاؤں کے
میکاڈو کل دیوتا۔ پتھری پوجا اور نیز مقامی دیوتا اور اپنے پیشے کے دیوتا کی روزانہ بوقت
صبح پوجا کرنے کی ہدایت ہے۔ مگر تنبیہہ ہے کہ کبھی ایسی پرارتھنا نہ کرو جو منظور نہ ہو سکے۔

ہر ایک پبلک پوجا کے موقعہ پر ایک خاص پرارتھنا پڑھی جاتی ہے۔ جسکو جاپانی زبان
میں نور ٹیو کہتے ہیں۔ چنانچہ ۱۸۶۸ء میں جنگ کی بجائی کے بعد گورنمنٹ گزٹ میں اس
قسم کی کئی پرارتھنائیں گورنمنٹ کیطرف سے مشتہر کی گئی تھیں اور صوبہ جات کے حاکموں کو
انہیں پرارتھناؤں کے استعمال کرنے کا حکم تھا۔

شنٹو مذہب میں کوئی اخلاقی اصول پائے نہیں جاتے۔ میکاڈو احکام ہی اخلاقی
اصولونکا کام دیتے ہیں۔ مسٹر مابوچی۔ مسٹر موٹو اوری۔ مسٹر ہراٹا جو مشہور شارع اس مذہب
کے گذرے۔ اخلاقی اصولوں کی عدم موجودگی کو ایک امر باعث فخر خیال کرتے ہیں۔ چنانچہ
وہ بحث کرتے ہیں کہ اخلاقی اصولونکی ضرورت اس قوم کو ہوتی ہے جسمیں بدی ہو۔ چونکہ
جاپانی قوم ہر ایک قسم کی بدی سے مبرا تھی اسلئے دیوتاؤں نے انکو اخلاقی اصول تبلانے نہیں
ضروری خیال نہیں کیا لیکن ہر ایک انسان کے اندر ایک ضمیر پیدا کر دی ہے جو اسکو نیکی و بدی
میں تمیز کرنے میں مدد دیتی ہے۔ نیز چونکہ میکاڈو دیوی کی اولاد میں سے ہے اسلئے اسکو
فطرتی طور پر ہر ایک اخلاقی اصول کا علم ہے۔ اسکے احکام سے بڑھ کر کوئی اصول اخلاق کے
نہیں ہو سکتے۔ رعایا کی بہبودی اور نیک بختی اسی میں ہے کہ وہ میکاڈو کے احکام کے مطابق بلا
چون و چرا اپنی زندگی کو گذارے۔

شنٹو مذہب کے مندر نہایت سادے ہوتے ہیں انمیں کوئی مورتی نہیں رکھی جاتی
مقام السی کے مشہور شنٹو مندر میں قدیمی آئینہ ہے جس سے سورج دیوی نے دہو کا
کھایا تھا مگر اس آئینہ کی بھی پوجا نہیں ہوتی ہر ایک مندر کے سامنے بہت سے طاقچے بنے ہوتے ہیں جنکو جاپانی
توری آئی کہتے ہیں ان طاقچوں میں چھوٹی چھوٹی تختیاں ہوتی ہیں جنپر پرانی کتابونکی ہدائتیں کندہ ہوتی ہیں
توری آئی شنٹو مندر کی خاص نشانی ہر مندر کی آگے صحن میں بیشمار لالٹینیں لگی ہوتی ہیں جو لوگ بطور چڑھاوا کے

چڑھاتے ہیں ۔ یہ لالٹینیں بعض اوقات بڑی ہوتی ہیں بعض انمیں تھموں کی اور بعض دہاتُ کی بنی ہوتی ہیں
مگر لوگ لالٹینوں کا چڑھاوا بدھ مندر اور شنٹو مندر دونوں میں یکساں چڑھاتے ہیں۔

پوجا کا طریقہ نہایت سیدھا سادھا ہے۔ ہاتھ جوڑ کر سر جھکاتے ہیں۔ اور پرارتھنا کرتے ہیں اور جاتری اپنے اپنے مقدور اور حیثیت کے مطابق روپیہ پیسہ چڑھاتا ہے۔ مندر کے دروازے کے آگے ایک کپڑے کا پردہ لٹکتا رہتا ہے اور جاتری اندر نہیں جاسکتا۔

شنٹو مندروں کے پوجاری عموماً بڑے بڑے خاندانی آدمی ہوتے ہیں۔ انکو شادی کرنے کی اجازت ہے اور سر کے بال منڈوانے کی ہدائت نہیں پوجا کے وقت پوجاری ایک لمبا چوغہ پہنتا ہے جو گھٹنوں تک آتا ہے اور سر پر ایک ٹوپی ہوتی ہے۔ پوجا کے وقت کے سوائے پوجاری معمولی لباس میں رہتے ہیں۔ علاوہ پوجاریوں کے کنواری لڑکیاں بھی خاص خاص مندروں میں پوجارنوں کا کام کرتی ہیں۔ چنانچہ دو ہزار برس سے آئسی کا مندر ہمیشہ شاہی خاندان کی کسی نہ کسی شہزادی کے زیر انتظام رہا ہے اور پوجارنوں کا کام شہزادیاں کرتی رہی ہیں۔ جنھوں نے کہ اپنی زندگی مندر کے سپرد کرکے ساری عمر بلاشادی گذاردی۔

اس مذہب کی ایک خاص صفت صفائی کی ہے۔ ہر ایک قسم کی ناپاکی کو گناہ خیال کیا جاتا۔ چنانچہ ہر ایک شخص کے لئے ہدایت ہے کہ پوجا سے پہلے مسواک کرکے غسل کرے۔ بغیر غسل کے پوجا نہ کرے۔ پوجاری کے لئے ہدایت ہے کہ پوجا سے پہلے غسل کرکے نئے کپڑے پہنے۔ اور بوقت پوجا ایک کاغذ کا ٹکڑا اپنے منہ پر باندھ لے تاکہ اسکا سانس چڑھاوے کو پلید نہ کردے۔ خاص شدھی کے لئے کئی تہوار مقرر تھے۔ چنانچہ سال میں دو دفعہ قوم کی شدھی کے لئے پوجا ہوتی تھی۔ اور رعایا کی تصویریں بناکر دریا میں پھینکی جاتی تھیں تاکہ رعایا ہر ایک قسم یعنی روح اور جسم کی ناپاکی سے صاف ہو جائے اور میکاڈو ایسے موقعہ پر سب سے بڑے پوجاری کو رسم ادا کرنے کے لئے بلاتا تھا۔

ہندوؤں کی طرح پیدائش اور موت دونوں ناپاک کرنے والے امور خیال کئے جاتے تھے چنانچہ زچہ کو علیحدہ مکان میں رکھتے تھے۔ زمانہ سابقہ میں جس مکان میں بچہ پیدا ہوتا تھا اور نیز

جس مکان میں کوئی مرتا تھا - اُن دونوں کو جلا دیتے تھے - چنانچہ یہی وجہ تھی کہ ایک بادشاہ کے مرنے پر اسکا محل جلا دیتے تھے - اور ہر ایک نیا بادشاہ اپنے لئے ایک نیا محل بناتا تھا اور اسوجہ سے عموماً پایہ تخت بھی بدلتا رہتا تھا - لیکن صفائی کے بارے میں اس مذہب کا قوم پر ایسا اثر ہوا کہ جاپانی قوم کو صفائی کا عاشق کہنا بجا ہے - ہر ایک موسم میں لوگ دو دفعہ دن میں غسل کرتے ہیں - لیکن غسل عموماً ایسے گرم پانی سے کرتے ہیں کہ یورپین لوگ اسکو برداشت نہیں کر سکتے - گھروں میں صفائی کی وہ حالت ہے کہ آپکو کہیں تنکا بھی پڑا ہوا کہائی نہیں دیگا -

شنٹو مندروں کا چڑھاوا پھل پھول وغیرہ ہوتا تھا - جانور کی قربانی کبھی نہیں کیجاتی تھی - شنٹو اور بدھ مذہب دونوں ہی جانور کو ہلاک کرنا گناہ بتلاتے ہیں - چنانچہ خوراک کے لئے بھی جانور ذبح کرنے کی مخالفت شنٹو مذہب کرتا ہے اور جاپان میں گوشت خوری بالکل نہیں ہے - ہاں زمانہ حال کی تہذیب نے اُنکو گوشت خوری سکھلا دی ہے - اس سے پہلے جاپانی دودھ - گھی اور پنیر کا استعمال بھی نہیں کرتے تھے -

جاپان میں کسی مذہب کے عمدہ اور خراب ہونیکا ایک بڑا بھاری معیار ہے کہ آیا اُسکا اثر اسکے پیرو کاروں کی زندگی پر کیسا ہے - اگر اسی معیار سے یہ کہا جاوے تو اسمیں کوئی کلام نہیں ہے کہ شنٹو مذہب قابل قدر مذہب ہے - جاپان میں بدھ مذہب داخل ہونے سے پیشتر جتنے بادشاہ جاپان میں گذرے ہیں وہ عموماً منصف مزاج رعایا پرور محنتی اور جفاکش اور نیک رفاع عام کے کاموں کے بانی اور موجد گذرے ہیں - چنانچہ بادشاہ جموٹمو نے ملک سر کرنے کے بعد زراعت کی ترقی میں بڑی کوشش کی اسکے بعد بادشاہ سوجین - نے نہریں کہدوائیں - حوض تالاب بنوائے - بند لگوائے اور ہر ایک طرح سے زراعت کو ترقی دی - اس بادشاہ نے تجارت کے لئے کشتیاں طیار کرائیں دیوتاؤں کے لئے مندر بنوائے - اس بادشاہ نے سنہ ۹۴ قبل مسیح ایک فرمان جاری کیا تھا جسمیں درج تھا کہ میرے بزرگ اسلئے تخت پر نہیں بیٹھے تھے کہ وہ آرام اور عیش کی زندگی بسر کریں بلکہ اسلئے کہ وہ دیوتاؤں کی مرضی پوری کریں اور رعایا کی بہبودی کے لئے کوشش کریں میرے تخت پر بیٹھنے کی بھی یہی غرض ہے کہ میں رعایا کو خوشحال بناؤں اسلئے میرے سب امیر و وزیر میری اس مرضی کو پورا کرنے کی کوشش کریں - مسٹر گرفس صاحب اس بادشاہ کو بانی تہذیب کے نام سے پکارتا ہے -

اُسکا بیٹا میکاڈو سونین بھی اپنے باپ کے نقش قدم پر چلا اُسنے نئی نہریں کھدوائیں۔ سڑکیں بنوائیں اور اناج جمع رکھنے کے کھلتے بنوائے۔ اس بادشاہ نے جاپان کی اُس قدیم سیرحمانہ رسم کو موقوف کیا جسکے مطابق بادشاہ یا امیر کے مرنے پر اُسکے ملازمان اُسکے ساتھ زندہ دفنائے جاتے تھے۔

شنٹو مندر آلسی کا بھی اس بادشاہ نے بنوایا تھا۔ علاوہ ازیں اُسنے ریشم کے کیڑے کی کاشت اور ریشمی کپڑے طیار کرانے میں ۔۔۔ بڑی کوشش کی اسیطرح سے بادشاہ ریچیو۔ یوری۔ آنو وغیرہ بھی بڑے رحمدل منصف مزاج اور رعایا کی سچی بہبودی اور بہتری کے چاہنے والے گذرے ہیں اُنکے بیشمار رفاع عام کے کام مشہور چلے آتے ہیں۔

ان بادشاہوں کی زندگیوں اور طرز حکومت سے اگر دیکھا جاوے تو کوئی شبہہ نہیں رہتا کہ باوجود جہالت اور توہمات کے شنٹو مذہب ایک زندہ مذہب تھا جسکا اثر نیک تھا۔

بدھ مذہب ۲۵۰ قبل از مسیح بدھ مذہب چین میں داخل ہوا۔ سنہ ۱۲۱ سال قبل از مسیح میں ایک بڑی بھاری مورتی سونے کی بدھ دیو کی لوٹ کے مال کے ساتھ چین میں پہونچی۔ لیکن بدھ مذہب چین میں اسوقت نہیں پھیلا۔ سنہ ۶۱ء میں بادشاہ چین نے اس مورتی کو خواب میں دیکھا اس خواب کی تعبیر کی گئی کہ وہ بدھ مذہب کو اختیار کرے۔ اسپر بادشاہ نے ہندوستان میں سفیر بھیجے جو اپنے ہمراہ صندل کی چند مورتیاں لائے اور چند ہندو بدھ سادھو بھی ساتھ آئے اسکے بعد ہندوستان سے بدھ ایدلشنگ اور بھی زیادہ آنے شروع ہوئے اور آہستہ آہستہ بدھ مذہب چین میں پھیل گیا چین سے بدھ مذہب کوریا میں پہونچا وہاں سے جاپان میں داخل ہوا۔ میکاڈو۔ کم۔ مئی سنہ ۵۴۰ تا سنہ ۵۷۱ کے عہد حکومت میں سنہ ۵۵۲ء میں کوریا کے بادشاہ کو ڈارا نے ایک بدھ کی مورتی معہ دیگر پوجا کے سامان کے شاہ جاپان کو بطور نذر بھیجی۔ اور درخواست کی کہ وہ بدھ مذہب کو اختیار کرے۔ درباریوں نے اعتراض کئے اسلئے بادشاہ نے وہ مورتی اپنے ایک وزیر۔ سوگا نوا نامی کے سپرد کردی کہ وہ اسکے لئے اپنے گھر میں ایک مندر بناکر اسکی پوجا کرے قضا الٰہی سے ملک میں سخت وبا پڑ گئی۔ وزیروں نے کہا کہ ملک کے دیوتا اس نئے دیوتا کی پوجا سے ناراض ہوگئے ہیں۔ اسکا نتیجہ یہہ ہوا کہ بدھ کا مندر جلادیا گیا۔ اور مورتی کو سمندر میں پھینک دیا۔ کہتے ہیں کہ بعد میں جب بدھ مذہب کا زور ہوگیا تو یہہ مورتی سمندر سے نکالی گئی اور ابتک ایک

بھارت درپن

پنجاب کے پرسدھ کوی پنڈت برجموہن دتاتریہ صاحب کیفی جلندہر نواسی نے ایک مفصل اور نہایت مفید اور دلچسپ مسدس اُردو میں لکھا ہے جو اب چھپکر تیار ہے ۔ لاہور اور جالندہر شہر کی سماجوں کے سالانہ جلسوں پر اسمیں سے کچھ حصہ پڑہا گیا اور بہت پسند کیا گیا اسکی نظم کی خوبیوں کی نسبت مفصل ذکر ریویو میں ہوگا یہاں صرف خریداران آریہ مسافر اور پبلک کو یہ ظاہر کرنا ہے کہ پنڈت صاحب نے بخوشی یہ منظور کر لیا ہے کہ خریداران آریہ مسافر کو یہہ کتاب ۶ر کو مل سکیگی اور عام پبلک کو اصلی قیمت ۸ر پر جو مہاشہ چاہیں منیجر آریہ مسافر سے منگوا سکتے ہیں ۔ یہ موقع سالنامہ کا ہی خریداروں کی رضامندی پر رسالہ کیساتھ کتاب بھیجکر اسکی قیمت سالانہ قیمت کے ساتھ وصول کیجا سکتی ہے ۔ ناظرین جلد توجہ کریں اور اپنے ارادے سے اطلاع دیں ۔

(منیجر)

قابل دید اور دلچسپ کتابیں

جنکا

مطالعہ ہر ایک متلاشئ حق کیلئے ازبس ضروری ہے

کلیان مارگ بجواب نسیم دعوت مرتبہ میرزا غلام احمد قادیانی ۔ یہ ایک اعلیٰ درجہ کی عالمانہ تصنیف ہے جسمیں کہ تناسخ ۔ مکتی ۔ پرلے ۔ بواہ و نیوگ وغیرہ لطیف مسائل پر محققانہ بحث کی گئی ہے اور ان مسائل کے متعلق مرزا کی ہر ایک حجت و دلیل کا بڑی معقولیت کے ساتھ رد کیا گیا ہے ۔ مصنف اسکے لالہ جوالا سہائے جی رئیس میانی ہیں یہہ ۱۵۲ صفحہ کا نادر رسالہ عرصہ ایکسال سے زیر طبع تھا حال ہی میں چھپکر تیار ہوا ہے

قیمت فی کاپی علاوہ محصولڈاک ۵ر ہے ۔

اثبات تناسخ ۔ بجواب ردّ تناسخ مرتبہ پادری غلام مسیح صاحب ۔ تناسخ پر یہہ ایک نادر رسالہ ہے جسمیں کہ لائق مصنف نے سخت کلامی سے قطعی پرہیز کرتے ہوئے ہر ایک اعتراض و حجت کا جواب بڑی سنجیدگی اور متانت کیساتھ دیا ہے ۔ متعصب سے متعصب منکر تناسخ بھی بڑے شوق سے اسے مطالعہ میں لا سکتا ہے ۔ قیمت فی جلد ۔ علاوہ محصولڈاک ۲ر

دی اینج - بجواب "المنصف" مصنفہ لالہ نندکشور لیشنوئی۔ المنصف وہ مشہور رسالہ ہے کہ جو کچھ عرصہ ہوا ایک سناتنی کیطرف سے بحمایت اسلام لکھا گیا تھا جسکو کہ چند علمائے ندوہ نے اپنے سرٹیفکیٹوں اور سندوں میں ایک لاجواب تصنیف قرار دیکر مصنف کی خوب پیٹھ ٹھونکی تھی اور اخبار وکیل امرتسر میں بڑی لمبی چوڑی تعریفوں کے پل باندھے گئے تھے دی اینج میں اس رسالہ کے وہ بخیئے اُدھیڑے گئے ہیں کہ باید و شاید قیمت علاوہ محصولڈاک فی کاپی ۴؍

فلسفہ عبادت - اسکے متعلق صرف اتنا ہی لکھنا کافی ہے کہ عبادت جیسے اہم اور لطیف مسئلہ پر زبان اردو میں اس پایہ کی کوئی کتاب ابھی تک شائع نہیں ہوئی۔ تھوڑی سی کاپیاں باقی رہ گئی ہیں لکھائی چھپائی اعلیٰ درجہ کی قیمت فی جلد ۱؍

برہدارنیک اُپنشد کا اردو ترجمہ - حصہ اول جو کہ بڑی محنت اور قابلیت سے کیا گیا ہے اس ترجمہ کی خصوصیت یہ ہے کہ دقیق سے دقیق اور لطیف سے لطیف خیال کو عام فہم اور سلیس اردو میں بیان کرنے کی کوشش کی گئی ہے اور ویدک سدھانت کے عین مطابق ہے برہم ودیا کے پریمیوں کے لئے اسکا مطالعہ ازبس ضروری ہے۔ قیمت ۱؍

وستار پوربک سندھیا ودھی - ایشور بھگتوں کے لئے یہ ایک امولیہ گرنتھ ہے عالم باعمل مصنف نے سندھیا کے متعلق اپنے بیس سالہ تجربہ کی بنا پر سندھیا منتروں کے ذریعہ سے پرماتما کے دھیان کی ودھی ایسی قابلیت سے قلمبند کی ہے کہ جس سے ہر ایک ایشور پریمی کو لابھ اُٹھانا چاہیئے۔ تھوڑی سی کاپیاں رہ گئی ہیں۔ قیمت فی جلد ۵؍

ملہمان وید و قرآن کی سوانح عمریوں کا مقابلہ - بجواب "فتح الاسلام آگرہ" یہ ایک بڑا دلچسپ رسالہ ہے جسمیں کہ ہر ایک بحث کا محققانہ جواب دیا گیا ہے۔ قیمت فی جلد ۲؍

ملنے کا پتہ

(۱) بھگت میگھراج مینیجر نارتھ انڈیا جنرل ایجنسی انارکلی لاہور۔

(۲) لائبریرین آریہ سماج وچھووالی لاہور۔

منیجر کا نوٹس تعمیل کے لئے بحوالہ نمبر چٹ مطلع فرمائے ورنہ عدم تعمیل معاف۔ منیجر

اوم

حسب الحکم شرومنی آریہ پرتی ندھی سبھا پنجاب

تصنیف کو سماج کی لیجاؤ ہر طرف ÷ پرکاش وید پاک کا پہونچاؤ ہر طرف

(جلد ۸) # آریہ مسافر (نمبر ۹)

بابت ماہ جنوری سنہ ۱۹۰۶ء

بیادگار دھرم ویر پنڈت لیکھرام جی آریہ مسا

فہرست مضامین

نمبر		صفحہ
۱	ترقی کی شاہراہ	۲۸۳
۲	محمڈن ازم اور لبنتی دیوی	۳۰۴
۳	الفطرت	۳۰۵
۴	علماء یوروپ اور اصطلاحات وید	۳۱۴
۵	شیو پوران کی پڑتال	۳۱۷
۶	ویریہ رکشا اور اسکے سادھن	۳۴۱
۷	تحصیل علم کا مدعا	۳۵۶
۸	محمدی تعصب	۳۶۳
۹	بنارس میں ایک سودیشی سین	۳۶۵
۱۰	نظم	۳۷۱

ایڈیٹر مہاشہ دیوچند

مطبوعہ ستیہ دھرم پرچارک جالندھر شہر

ضروری نویدن

افسوس کہ پہلی پانچ کاپیوں اور آخری کاپی کے صفحے غلط چھپ گئے۔ ناظرین درست کریں اور اس غلطی کے لئے معاف فرماویں۔ ترتیب مضامین درست ہے +

ایڈیٹر

خریدار ضرور توجہ کریں

نہائت ضروری ہے کہ خریداران رسالہ آریہ مسافر بروقت ارسالگی روپیہ اپنی چٹ نمبر کا حوالہ دیا کریں تاکہ روپیہ انکے حساب میں محسوب کیا جائے۔ مگر افسوس کہ نمبر چٹ لکھنا تو درکنار وہ اپنا نام تک بھی لکھنا ضروری نہیں سمجھتے ہیں۔ جس کارن حساب اُنکے کھاتہ میں باقی رہتا ہے۔ اور ان سے روپیہ کی طلبی ہوتی رہتی ہے جس سے طرفین کا ہرج ہوتا ہے۔ پس التماس ہے کہ کوپن منی آرڈر پر پورا پتہ خوشخط بمعہ سکونت تعداد روپیہ اور چٹ نمبر لکھا کریں۔

ذیل میں چند رقوم درج کیجاتی ہیں جو کہ ماہ جنوری و فروری سنہ ۱۹۰۶ء میں وصول ہوئی ہیں۔ جن صاحبان نے ارسال کی ہوں مفصل پتہ دیں۔

ایک رقم تین روپیہ ۵ آنہ کی ۶ فروری سنہ ۱۹۰۶ء کو وصول ہوئی۔ کوپن میں لکھا ہے کہ۔ "میں بنارس چلا گیا تھا اب الہ آباد آیا ہوں"۔

ایک رقم تین روپیہ کی ۲۶ جنوری سنہ ۱۹۰۶ء کو آئی

(نیاز مند منیجر)

جلد ۸ بابت ماہ جنوری سنہ ۱۹۰۶ء نمبر ۴

ترقی کی شاہراہ

جرمنی کے مشہور عالم شلر کا قول ہے کہ "دنیا کی تواریخ دنیا کا ججمنٹ ہے" مفہوم اسکا یہ ہے کہ تواریخ عالم کے مطالعہ سے انسان جملہ دنیادی معاملات کی صداقت اور اُنکے متعلقہ اصولوں کو جان سکتا ہے۔ کسی اصول کی صداقت کا تبھی پتا لگتا ہے جبکہ اسکو کام میں لاکر دیکھا جاتا ہے تواریخ ہمیں کسی معاملہ کے سمجھنے اور اسکے متعلق ہر قسم کی اونچ نیچ کو ذہن کرنے میں مدد دیتی ہے۔ وہ ہمیں تبلاتی ہے کہ فلاں فلاں اسباب سے یہ یہ نتائج برآمد ہوتے ہیں مذکورہ بالا قول کو پیش نظر رکھتے ہوئے ہم کہہ سکتے ہیں کہ ترقی کی تواریخ ترقی کیطرف لیجانیکا حقیقی ذریعہ ہے اس تاریخ میں ہمیں کئی قسم کے انسانوں کی زندگیوں سے واسطہ پڑیگا۔ جہاں ایکطرف مہاتما بدھ تاج و تخت پر لات مار روحانی ترقی کی زوردار خواہش کو پورا کرنے کے لئے۔ جنگلوں اور پہاڑوں کی راہ لیتا ہے وہاں دوسریطرف فرانس کا بہادر نیپولین دنیاوی ترقی کی زبردست خواہش سے بیتاب ملک پر ملک فتح کرتا ہوا عجیب و غریب طاقتوں کا

ظہور دکھلاتا ہے. یہہ تواریخ ہر ایک قسم کی ترقی کے وسائل کو متلاشی کے روبرو پیش کرتی ہے۔ جہاں پر روم جیسی عظیم الشان سلطنت کے تنزل وزوال کے اسباب سے آگاہ کرتی ہے وہاں جاپان جیسے چھوٹے سے جزیرہ کی حیرت انگیز ترقی کا سبب تبلاتی ہے اسکے اندر جہاں ایک طرف رشیوں - منیوں - مہاتماؤں - اور سادہوؤں کے شانتی بخش پاک جیون ملیں گے وہاں دوسری طرف بڑے بڑے لیٹروں - ڈاکوؤں اور راہزنوں کی قابل نفرت زندگیاں بھی نظر آئیں گی حاصل کلام یہہ کہ ترقی کے متلاشی کے لیے حصول ترقی کے لئے - ترقی کا اتہاس ایک سچا سادہن ہے۔

اس اتہاس کا بغور مطالعہ کرنے سے پتہ لگتا ہے کہ ترقی دو قسم کی ہے ایک دنیاوی دوسری روحانی۔ پہلی قسم کی ترقی کے خواہشمند وہ لوگ ہیں جو شب وروز دنیاوی لوازمات کے حصول میں مشغول ہیں جو محض جسمانی ترقی اور مجلسی سدہار میں اپنا وقت صرف کرتے ہیں۔ جو دنیاوی جاہ وحشم کے حصول میں ہمہ تن مصروف رہتے ہیں۔ دوسری قسم کی ترقی چاہنے والے وہ لوگ ہیں جو روحانی ترقی کو مقدم سمجھتے ہوئے تمام دنیاوی لذتوں سے دل ہٹا کر ایشور بھگتی میں تن من دہن ارپن کرتے ہیں۔ جنکو ہردم آخرت کا ہی خیال ہے اس قسم کی آتمائیں دنیا میں بہت کم ہوتی ہیں لیکن ہم آپکی خدمت میں یہہ گذارش کرنا چاہتے ہیں کہ انسان خواہ کسی قسم کی ترقی کی خواہش کرے۔ خواہ دنیاوی ہو خواہ روحانی خواہ مادی ہو خواہ غیر مادی اسکے لیے راستہ ایک ہی ہے وہ راستہ کسی خاص شخص کے لیے مخصوص نہیں ہے۔ کسی خاص قوم کی اسپر مہر ثبت نہیں۔ کسی خاص ملک کا اسپر اجارہ نہیں وہ تمام نوع انسان کے لئے ہے۔ وہ عالمگیر بھلائی کا مارگ ہے۔ اسپر ہر ایک انسان بلا لحاظ رنگ روپ۔ مذہب وملت چلنے کا مستحق ہے۔ اس شاہراہ پر قدم رکھے بغیر کوئی ترقی نہیں ہوسکتی وہ ایک الہی ضابطہ ہے جو کہ اٹل ہے اور سب کے لئے مساوی ہے۔ جس کسی نے اس کلیان مارگ پر قدم رکھا اور استقلال سے آگے بڑہتا گیا اُسنے ضرور منزل مقصود کو پالیا۔ ترقی ہاتھ باندہے اُسکے سامنے آکھڑی ہوئی جس ملک نے اس راز کو سمجھا۔ اُسے مادر ترقی کے درشن نصیب ہوئے جس کسی نے اُسے چھوڑ دیا وہ چاہ ذلالت میں منہ کے بل گرا۔ جس جاتی نے اس سے منہ موڑا اسیوقت وہ رساتل کو پہونچی۔ اس شاہراہ کا مسافر بنے بغیر ترقی دیوی کا ساکشات ہونا ناممکن ہے اس لیے ترقی کے لئے کوشش شروع

کرنے سے پہلے اُسکے سادھنوں کو سمجھنا لازمی ہے اسکے بغیر کامیابی کی اُمید رکھنا عبث ہے۔

ایک حکیم کا قول ہے کہ انسان ایک مجلسی وجود ہے ماں کے پیٹ سے باہر آتے ہی اُسکا انسانی سوسائٹی سے تعلق ہو جاتا ہے اور وہ تعلق تادم مرگ رہتا ہے اسلئے جن جن باتوں سے وہ انسانی سوسائٹی کیلئے مفید ہو سکتا ہے نیز جن جن تدابیر سے وہ انسانی سوسائٹی میں شانتی پھیلا سکتا ہے۔ ان باتوں کی تعلیم کا اسکے لئے سب سے پہلے انتظام ہونا چاہئے پھر وہ حکیم یہ بھی تبلاتا ہے کہ انسان کو پیدا ہوتے ہی جو سائٹی جس حالت میں ملتی ہے اُسکا فرض ہے کہ بوقت موت اُسے بہتر حالت میں چھوڑے۔ اب تحقیق یہ کرنا ہے کہ وہ کونسی صفات ہیں جن سے متصف ہو کر انسان سوسائٹی کے لئے برکت کا باعث ہو سکتا ہے اور دنیا کے اندر شانتی پھیلا سکتا ہے

جو شخص کسی سے دشمنی رکھتا ہے وہ اُس آتشِ عناد سے اپنے آپ کو ہی نہیں جلا رہا بلکہ اپنے بُرے سنکاروں (اثروں) سے دوسری آتماؤں کو بھی نقصان پہونچا رہا ہے۔ ہم باہم ملکر صلاح و مشورہ کرنا تو درکنار نشست و برخاست بھی نہیں کر سکتے۔ اگر ہمارے اندر محبت و پریم موجود نہ ہو۔ ہمارے خیالات میں باہم کیسا ہی بھاری اختلاف کیوں نہ ہو لیکن ہمارے اندر پریم کا بیج موجود ہونا ضروری ہے۔ اِسکے بغیر ماں بچے کو نہیں پال سکتی بھائی بھائی کا بھلا نہیں کر سکتا۔ نیک انسان برائیوں میں پھنسے ہوئے لوگوں کو اُنسے نکال نہیں سکتا جبتک کہ اُسکے دل میں ایسے آدمی کو دیکھکر دیا اور پریم کا بھاؤ پیدا نہ ہو۔ اس مقدم وصف کے بغیر انسان سوسائٹی کے اندر کام نہیں کر سکتا۔ جب ہم یہ جانتے ہیں کہ دنیا میں جتنے پرانی ہیں۔ ان سب میں ہماری طرح آتما ہے۔ جیسا ہم سُکھ دُکھ محسوس کرتے ہیں ویسا ہی وے بھی کرتے ہیں تو ہمیں کوئی حق حاصل نہیں ہے کہ ہم ان سے نفرت کریں مانا کہ ایک شخص کی زندگی نہایت ناپاک ہے مگر اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ ہم اسکو بُرا سمجھکر اُسے چھوڑ دیں اور بُرائی کے گڑھے میں پڑا رہنے دیں۔ بلکہ انسانی اشرافت یہ تقاضا کرتی ہے کہ ہم اُسکے حال زار پر زیادہ سے زیادہ محبت کا اظہار کرتے ہوئے اسکو اس ذلیل حالت سے نکالیں اور اپنی طرح اچھا بنانیکی کوشش کریں۔ اگر ہم اس سے دور رہینگے اور نفرت کریں گے تو کب ممکن ہے کہ اسکو سُدھار سکیں۔ دنیا میں جتنے سچے مصلح یا رفارمر ہوئے ہیں اُنکے دلوں میں سب کے لئے پریم تھا۔ وہ لوگوں سے نفرت نہیں

کرتے تھے اسی لئے پنڈت کی تعریف کرتے ہوئے نیتی کار کہتے ہیں "مثل اپنی آتما کے جو سب پرانیوں کو دیکھتا ہے وہی سچا پنڈت ہے"

سر جان لبک کا قول ہے کہ "پریم زندگی کا پرکاش اور تیج ہے" کوئی مسلمان ہو یا عیسائی بدھ ہو یا ہندو۔ آریہ ہو یا برہمو ہمیں بلا تمیز مذہب و ملت سب کے ساتھ پریم کرنا چاہئے۔ اختلاف رائے باہم ملنے جلنے اور بات چیت کرنے سے رفع ہو سکتا ہے لیکن یہ بات انسانیت سے بعید ہے کہ ہم کسی اپنے سے مخالف رائے رکھنے والے کو نفرت کی نگاہ سے دیکھیں یا اس سے عناد رکھیں۔ وہ بھی پرماتما کا امرت پتر ہے وہ جیو آتما بھی ہماری طرح انادی ہے۔ دوسرا وصف جو انسان کی زندگی کو نیک بنانیوالا ہے وہ صداقت شعاری ہے۔ ہم صداقت شعار تبھی بن سکتے ہیں جبکہ ہم جو کچھ کہ اپنے دلمیں رکھتے ہوں اسی کا اپنی زبان سے اظہار کریں اور ویسا ہی ہمارا عمل ہو۔ جب کسی دروغ گو سے ہمارا واسطہ پڑ جاتا ہے تو ہمیں کتنا ناگوار گذرتا ہے اور کسقدر تکلیف ہوتی ہے۔ اسوقت ہمیں غور کرنا چاہئے کہ اگر ہم بھی دوسروں کے ساتھ اسی قسم کا برتاو کریں گے تو اسکو بھی ایسا ہی ناگوار گذریگا۔ اسیطرح استقلال۔ صبر۔ انکساری وغیرہ اوصاف ہیں۔ جنکے بغیر انسان نہ تو خود ہی اچھا ہو سکتا ہے اور نہ ہی سوسائٹی کے مفید مطلب بن سکتا ہے۔ انگریزی میں ان جملہ اوصاف کے مجموعہ کا نام کیریکٹر ہے اور وید آدی ستیہ شاستروں میں اسکا نام سداچار رکھا گیا ہے اسی لئے مہرشی منو نے فرمایا ہے کہ وید۔ اور سمرتیوں میں بدہان کیا آچار ہی پرم دہرم ہے"۔ سداچاری یا نیک چلن انسان جہاں ایکطرف اپنی زندگی کو اعلیٰ بناتا ہے وہاں دوسریطرف انسانی سوسائٹی کی حالت کو بھی پلٹ دیتا ہے۔ دولت سے جو طاقت حاصل ہوتی ہے وہ اسکے مقابلہ میں ہیچ ہے بلیکی صاحب سوال اٹھاتے ہیں کہ زندگی کو ترقی کے معراج پر پہونچانیکا حقیقی وسیلہ کیا ہے؟ اور خود ہی اسکا جواب بدیں الفاظ دیتے ہیں کہ "صرف ایک چیز۔ دولت کی ضرورت نہیں۔ جسمانی طاقت درکار نہیں۔ چالاکی کسی کام نہیں شہرت کچھ فائدہ نہیں پہونچا سکتی۔ آزادی کسی مصرف کی نہیں۔ نہ ہی جسمانی صحت اتنی مفید ہے جتنی ایک طاقت۔ اور وہ سنجیونی بوٹی سداچار ہے"۔ یہی ہمیں ترقی کی شاہراہ پر لیجا سکتی ہے سداچاری لڑکا جس درسگاہ میں ہوگا وہ اسکا بھوشن ہے۔ وہ جتنا کام اپنے سکول کیلئے لڑکوں میں کر سکتا ہے ڈرل ماسٹر نہیں کر سکتا۔ سب اسکی تعظیم وتکریم کرتے ہیں جس جگہہ وہ کھڑا ہو جاتا

وغیرہ ہزاروں سامان آسایش کا دنیا میں
فونوگراف کا ایجاد ممکن نہ تھا۔ ہم آئندہ

روغن واٹر پروف کا کام دیتا ہے جس سے بے تکلف غوطہ زنی ما تقدم سے محروم رہتے۔ غرض دنیا کے
چھینٹیں اُوڑاتے نکل جاتے ہیں اور جانوروں کیطرح پانی ان اپنے ساتھ لیکر پیدا ہوتا ہے اور ایسے
جانور تھوڑے پانی میں یا کیچڑ میں رہنے والے ہیں۔ اُنکی ٹانگ
پانی کیچڑ میں سے چونچ گھنگول کر اپنی خوراک نکال سکیں جیسے
جو پرندے شکاری ہیں اور گوشت یا چھوٹے چھوٹے
والے درندے ہیں۔ اُنکے پنجے مضبوط ناخن مڑواں تیز اور ہے کہ کاٹنا ہتھ کہنا! جسمیں ہیر شے
دھاریں ہوتی ہیں۔ کریدنے والے پرندوں کے پنجوں میں ہمیشہ تین اُنگلیاں آگے ہوتی ہیں
اور ایک پیچھے۔ ناخن موٹے اور کھنڈے۔ نقل مکان کرنیوالے پرندوں کا حافظہ اس بلا کا ہوتا ہے
کہ سال بھر میں ہزاروں میل سے دوبارہ آکر پھر اپنے اپنے گھونسلوں میں آباد ہو جاتے ہیں اور
وقت گذرنے پر بدستور غیر ممالک میں جا بستے ہیں۔ چیل۔ عقاب وغیرہ بلند پرواز پرندوں
کی نظر غضب کی تیز ہوتی ہے۔ غور سے دیکھئے تو آسمان میں تارہ ہو رہے ہیں اور صرف ایک
نقطہ سا نظر آتا ہے۔ ابھی ذرا سا گوشت اُچھالا کہ سر پر منڈلانے لگے۔ گدھ بھی اسی قسم کے
پرندوں میں سے ہے مگر وہ اکثر مردار لاشیں کھاتا ہے اور گلے گلے تک انمیں اُتر جاتا ہے۔ اسلئے اُسکی
گردن سر اور پاؤں پر بال نہیں ہوتے۔ اگر اور جانوروں کی طرح ہوتے تو آلائش میں لتھڑ جایا
کرتے۔ یہی حال تمام چرندوں اور درندوں کا سمجھ لو۔ قدرت نے ہر جاندار میں آلات و عادات اُسکی
ضرورت ذاتی و مقامی کے لحاظ سے عین مناسب پیدا کئے ہیں۔ دیکھنے میں تو اونٹ کی صورت
ہنسی کے قابل ہے لیکن غور کرو تو خدا کی قدرت نظر آتی ہے۔ اونٹ ریگستان کا جانور ہے وہاں
ربیع و خریف کی فصلیں نہیں ہوتیں اس بیچارہ کے لئے گھٹی اور سانی کہاں سے آتی .... اور دیا بھی
کون؟ چھوٹے چھوٹے آدم قد خاردار درخت ہوتے ہیں جنکو یہ آپ دن بھر کھاتا پھرا کرتا ہے اسلئے
اللہ تعالیٰ نے اسکو لمبی لمبی ٹانگیں دیدی ہیں ان ٹانگوں پر گردن بھی ایسی ہی لمبی ہونی چاہئے تھی ورنہ پانی
کیونکر پیتا۔ ریگستان کے خشک بیابانوں میں کوسوں پانی کا قطرہ اور گھاس کا ریشہ نظر نہیں آتا اسلئے
پیٹ میں خانے بنا دئے ہیں جنمیں ہفتوں کا پانی بیٹھکی بھر کرلے جاتا ہے اور کمر پر چربی کا ایک ہنڈا کس
دیا ہے جسے کوہان کہتے ہیں۔ غذا نہ ملے تو یہ جزو بدن ہوتا رہتا ہے (باقی آئندہ)

کرتے تھے اسی لیے پنڈت کی تعریف کرتے ہوئے

دیکھتا ہے وہی سچا پنڈت ہے"

سر جان لبک کا قول ہے کہ"

بدھ ہو یا ہندو۔ آریہ ہو یا برہمو ہیں بلا تمیز

باہم ملنے جلنے اور بات چیت کرنے سے ر

اپنے سے مخالف رائے رکھنے والے کو نفرت

کا امرت

اور اصطلاحات وید

دیکھو رسالہ بابت ماہ اکتوبر سنہ ۱۹۰۵ء

آمدم بر سر مطلب۔ جو آتا ہی ہمارے قدیم مصنف مہرشی یاسک آچاریہ نے ویدک الفاظ کی تفسیر کا مقدم اصول یہ قرار دیا ہے کہ ویدک الفاظ تمام یوگک (مشتق) ہیں۔ نروکت کے پہلے باب کی چوتھی فصل میں ابتدا سے ہی اس مضمون پر یاسک۔ گارگیہ۔ شاکٹاین و تمام دیگر قواعد دانوں اور صرف دانوں کی بحث شروع ہوتی ہے اور سب نے باتفاق رائے یہہ قرار دیا ہے کہ ویدک الفاظ تمام یوگک (مشتق) ہیں لیکن یاسک اور شاکٹاین یہہ بھی قرار دیتے ہیں کہ روڑھی (جامد) الفاظ بھی اُس حد تک یوگک ہیں جہانتک کہ وہ دراصل دھاتو (اصل مصدر) سے مشتق ہوئے ہیں مگر گارگیہ کی یہ رائے ہے کہ صرف روڑھی (جامد) الفاظ یوگک نہیں ہیں۔

اس فصل کے خاتمہ پر گارگیہ کی رائے رد کر کے یہ قطعی فیصلہ کر دیا گیا ہے کہ تمام الفاظ خواہ ویدک ہوں یا روڑھی (جامد) یوگک ہیں نروکت کی اسی سند پر مہرشی پتنجلی اپنے مہابھاشیہ میں یہی رائے ظاہر فرماتے ہیں اور ویدک الفاظ کو نگم نام سے موسوم کرتے ہوئے روڑھی الفاظ سے تمیز کرتے ہیں چنانچہ وہ فرماتے ہیں:۔

"नाम च धातुजमाह निरुक्ते व्याकरणे शकटस्य च तोकम्"

اور ایک سطر اس سے پہلے

"नैगमरूढिभवं हि सुसाधु"

اس تمام کا نفس مدعا یہ ہے کہ سب رشی اور منی۔ قدیم مصنف اور مفسر بلا استثنا یہ قرار دیتے ہیں کہ جملہ ویدک الفاظ یوگک ہیں البتہ بعض یوگک الفاظ کو بعض علماء روڑھی بھی مانتے ہیں۔

اس اصول کو علماء یوروپ نے قطعی نظر انداز کیا ہے۔ بدیں وجہ اُنہوں نے اپنی ویدوں کی تفسیروں میں جعلی یا مستعار دیو مالا کی کہانیاں بھر دی ہیں۔ اور اُنکے ساتھ تواریخی یا تواریخی زمانہ سے پہلے کے اشخاص کی کہانیاں اور داستانیں بھی شامل کر دی ہیں۔ مثلاً بخیال

...ز۔ کُرسی۔ قلمدان وغیرہ ہزاروں سامان آسایش کا دنیا میں
...اف۔ فوٹوگراف۔ فونوگراف کا ایجاد ممکن نہ تھا۔ ہم آئندہ

آریہ مسافر

ڈاکٹر میور صاحب۔ کنوا۔ گوتم۔ گرت اور حفظ ماتقدم سے محروم رہتے بغرض دنیا کے
سے نام ہیں جنکا ذکر علی الترتیب رگوید (۴۔ ۱۲ تان الذان اپنے ساتھ لیکر پیدا ہوتا ہے اور سکتے
(۴۔ ۱۶۔ ۲۳)، یو (۴۔ ۴۔ ۵۔ ۶۰)، میں آیا ہے۔ لیکن تحقیـ

ھئے یہ

کنوا اور گوتم۔ بالعموم فاضل اشخاص کے معنوں میں
لفظ بھر گواہ صرف ذہین آدمیوں پر دلالت کرتا ہے
معنی ہیں تعریف کنندہ اور جو ہر کتھا اسکو کہتے ہیں کہ جاتا ہے کہ کائنات کے خالق نے ہر شے
بہر ہت یعنی مکمل ہے۔ پس یہ صاف ظاہر ہے کہ اگر ایک دفعہ بھی اُس سے رکھی ہے وہ فوت نہیں
تو مترجم کا صرف تواریخی یا تواریخی زمانہ سے پہلے کے اشخاص سے سروکار رہجا دیتے ہیں۔ تندیر
رگوید میں تشناشیپا کی کتھا دریافت کرنے کی نسبت بھی یہی کہا جا سکتا ہے لفظ صفاظت کرتا
سمبندہ یا تعلق، (نروکت ۴۔ ۲)، لفظ شنہ یا شون بمعنی "علم" کے قبل لانے سے
"شناشیپا" بنتا ہے جسکے معنی ہیں "وہ جس کا تعلق علم سے ہوا ہے" یعنی ودوان یا عالم
شخص اس مضمون کے مطالعہ سے بتدریج یہ واضح ہوتا جاویگا کہ کسطرح بچے بعد دیگرے
منتروں کا غلط ترجمہ کیا گیا ہے جسکی اصل وجہ صرف نروکت کے اصول کو غلط قرار دینا ہے

جن اصحاب کا دل تعصب سے پاک ہے اُنہیں اس اصول کے صحیح ہونے میں ذرا
بھی شک نہیں ہو سکتا کیونکہ نروکت کی سند کے علاوہ خود ویدوں کی قدامت ہی اس امر کا صریح
ثبوت ہے کہ ویدک الفاظ یوگک (مشتق) ہیں۔ یہانتک کہ پروفیسر میکسملر کو بھی ویدوں سے
دیوتاؤں کے تذکرے نکالنے کی لتک میں بوجہ مجبوری یہ تسلیم کرنا پڑا کہ ویدوں کے بعض حصوں
کے الفاظ یوگک (مشتق) ہیں۔ چنانچہ وہ رقمطراز ہیں:۔

"لیکن ان ابتدائی گیتوں میں ایک خاص لطف ہے جو اور قسم کی نظموں میں نہیں
پایا جاتا۔ ہر ایک لفظ اپنے لغوی معنوں کا کچھ نہ کچھ حصہ قائم رکھتا ہے۔ ہر ایک ہے۔ تاکہ
وصف اثر رکھتا ہے۔ ہر ایک خیال بادی النظر میں نہایت ہی پیچیدہ اور بے ربط اظہلے۔ جب کا ٹکر
کے الگ الگ کیا جائے پر راست۔ صحیح۔ اور مکمل پایا جاتا ہے" (ہسٹری آف

سنسکرت لٹریچر صفحہ ۵۵۳)

*

کو وواہی نہ جانتا۔ تو الماری۔ صندوق۔ میز۔ کرسی۔ قلمدان وغیرہ ہزاروں سامان آسایش کا دنیا میں وجود نہ ہوتا۔ ریلوے .... ٹیلیگراف۔ فوٹوگراف۔ فونوگراف کا ایجاد ممکن نہ تھا۔ ہم آئندہ حالتوں کے لئے ایسی سچی پیشین گوئیاں نہ کر سکتے اور حفظ ماتقدم سے محروم رہتے۔ غرض دنیا کے تمام کمالات کی بنیاد ان دو باتوں پر ہے جن کا یقین انسان اپنے ساتھ لیکر پیدا ہوتا ہے اور مرتے دم تک ہر جگہہ موجود پاتا ہے۔

(۱) ہر معلول کی کوئی علت ضرور ہوتی ہے ؛

(۲) کسی علت سے ہمیشہ وہی معلول پیدا ہوتا ہے ؛

اس التزام علت و معلول کے دیکھنے سے یہ بھی معلوم ہو جاتا ہے کہ کائنات کے خالق نے ہر شے کی پیدایش و پرورش کا ایسی حکمت سے انتظام کیا ہے کہ جو غرض اُس سے رکھی ہے وہ فوت نہیں ہونے پاتی اور یہ سلسلہ برابر چلا جاتا ہے۔ درخت تخم سے پیدا ہوتے ہیں اور تخم دیتے ہیں۔ تخم پر اور تخم کے دانے پر ایک مضبوط خول ہوتا ہے جو انکا لباس ہے اور آفات خارجی سے حفاظت کرتا ہے۔ جڑ سے لیکر ٹہنیوں۔ پتوں اور کونپلوں تک انابیب شعری کے ذریعے پانی پہونچتا ہے۔ جسطرح ہمارے جسم کی رگوں میں خون۔ جوں جوں درخت اوپر بڑھتا ہے زمین کے نیچے بھی پھیلتا جاتا ہے۔ چنانچہ احتیاط سے پوری جڑ نکال لیجائے تو اُتنا ہی بڑا گدھے ٹہنیوں والا ایک درخت زمین سے نکلیگا۔ یہ اسلئے کہ زمین میں دو۔ دُور سے اپنی غذا لے سکے اور آندھی جھکڑ کے زور کا مقابلہ کر سکے۔ تخم کے محافظ خول کو اُتار کر دیکھیں تو مغز کے دو حصے ہونگے۔ ان پر پتوں۔ شاخوں سمیت درخت کی پوری تصویر آپ دیکھینگے مگر نہایت ہی باریک جیسے بڑی دور سے فوٹو لیا گیا ہے۔ یہی درخت کا ہیولا ہے۔ حرارت۔ نمی ہوا سے بڑھکر بڑا سارا گھر گھرول درخت بنجاتا ہے اور کبھی ایسا نہیں ہوتا کہ گولر سے انجیر یا ببولی سے کھرنی کا درخت پیدا ہو جائے۔ ہر درخت کی نشوونما کے سامان اور اس سے غرض متعینہ حاصل ہونے کے طریق خاص خاص اللہ تعالےٰ نے پیدا کئے ہیں صندل کے درخت کو دیکھو۔ سب درختوں سے موٹا اور مضبوط خول رکھتا ہے اور درخت جہاں چھال کا لباس رکھتے ہیں تو اسکو چھال کے سوا حفاظت کے لئے لکڑی کا قلعہ عنایت ہوا ہے۔ تاکہ اسکے اندرونی خوشبودار حصہ کو بالائی نقصان تباہ نہ کرے اور خوشبو نکل نہ جائے۔ جب کا ہکر

اسکے دو دو فیٹ لمبے ٹکڑے نم زمین میں دبا دئے جاتے ہیں تو وہ نکما ہوتا خول دیمک کھا جاتی ہے مگر خوشبودار حصّے کو منہ نہیں لگاتی بلکہ صندل کی خوشبو سے سخت نفرت کرتی ہے۔"

دیار کی لکڑی کا قدرت نے جو انتظام کیا ہے وہ اس سے بھی زیادہ دلچسپ اور حیرت انگیز ہے دیار کا درخت نباتات میں ایسا سمجھنا چاہئے جیسے حیوانات میں ویل یا ہاتھی! تقریباً دو سو ڈیڑہ سو فٹ اونچا بلند۔ اور اسکا تنہ دور میں دس پندرہ فیٹ ہوتا ہے جتنا بڑا ہے اُتنا ہی آہستہ آہستہ بڑہتا ہے اور کوئی دو سو برس میں جاکر پورا تناور درخت ہوجاتا ہے۔ سلسلہ کوہ ہمالیہ کے دشوار گذار برفانی ڈھلانوں پر دریاؤں کے کنارے پیدا ہوتا ہے۔ جہاں انسان کا پہونچنا آسان نہیں۔ وہاں پھل ترکاری اناج پات کچھہ نہیں ہوتا۔ مگر چلغوزہ کے درخت بکثرت ہوتے ہیں۔ جب جفاکش اولوالعزم بہادر اُن کوہستانی دیوزادوں کا شکار کرنے جاتے ہیں تو مدت تک وہاں ٹھہرنا پڑتا ہے۔ اس مہلک سردی میں صرف یہی گرم میوہ انکی کامیاب زندگی کا سہارا ہوتا ہے۔ گویا یہ پھل خداتعالیٰ نے انہیں غریب الوطن حوصلہ مندوں کے لئے پیدا کیا ہے اور بیشک یہ درخت ہی دیار کی لکڑی حاصل ہونے کا ذریعہ ہے۔ کیونکہ اسکی لکڑی بالکل نکمی ہوتی ہے اگر دیار کیطرح وہ بھی کام میں آتی تو سارے درخت کاٹ ڈالے جاتے۔ پھر یہ میوہ ایسا ارزاں وفراواں انکو وہاں نہ ملا کرتا۔ چونکہ دیار کی لکڑی نہائت کثیرالاستعمال شئے ہے اور درخت دو صدی میں جاکر کہیں پورا ہوتا ہے۔ اسلئے قدرت نے اسکی نسل قائم رہنے کا بھی بالکل خاص طور پر انتظام کیا ہے اسکا پھل مور کے انڈے کی برابر ہوتا ہے جب وہ پورا پک چکتا ہے تو ٹھلکر پھٹ جاتا ہے اور اسمیں سے بیج نکل پڑتے ہیں۔ ان بیجوں میں تیر کے سے دو پر ہوتے ہیں۔ جدا ہوتے ہی پروں میں ہوا بھر جاتی ہے اور وہ درخت سے دور فاصلہ پر جا پڑتے ہیں اگر وہیں درخت کی جڑمیں گر جایا کرتے تو بڑے درخت چھوٹے چھوٹے نئے پودوں کو پروان نہ چڑہنے دیتے۔ اور ان بلانوشوں کے آگے انکو زمین سے غذا لینا دشوار ہوجاتا۔ مگر اس انتظام کی بدولت خدا کی کوہستانی زمین میں انکا قبضہ بھی بڑہتا جاتا ہے اور نئے پودوں کی پرورش میں بھی خلل نہیں آتا۔

خیال کرو تخم میں یہ خاص انتظام نہوتا تو سو پچاس برس میں دیار کا درخت دنیا سے ناپید ہوجاتا۔ چلغوزہ کا درخت وہاں نہ ہوتا۔ یا اُسکی لکڑی کارآمد ہوتی تو وہاں پہونچنے کے بعد بھی

ٹھہرنا مشکل تھا۔ اگر دیار پہاڑ کے ڈھلانوں پر بجائے دریاؤں کے کنارے نہ ہوا کرتا۔ تو ایسی جگہ
بار برداری کا انتظام نہایت دشوار تھا یہ بات کیونکر نصیب ہوئی کہ تنہ کا تنہ کاٹ کر دریا
میں گرا دیا۔ پانی کے زور نے بہا کر آبادیوں میں پہونچا دیا یہاں اپنے اپنے مارک دیکھکر۔
مالکوں نے نکلوا لیئے۔

ایک دیار کے درخت پر کیا منحصر ہے۔ جس درخت کو غور وفکر سے دیکھے یہی حکمت اور
صنعت پاؤگے۔ عالم نباتات سے جسقدر فائدے پہونچتے ہیں۔ فائدہ اٹھانیوالوں کو انکا
پورا پورا علم بھی نہیں ہے۔ بہت سے ساگ پات پھل ترکاری ہماری غذا ہیں۔ ہزاروں جڑی
بوٹیاں ہماری بیماریوں کی دوا ہیں۔ گھاس پھونس ہمارے جانوروں کا چارہ ہیں۔ اکثر درخت تعمیرات
کے کام میں آتے ہیں۔ سب سے بڑھ کر یہ کہ ہوا صاف کرنا انکی ڈیوٹی ہے۔ آدمی کی مرکب ہوا
میں سے کاربن گیس چوس لیتے ہیں۔ یہ جز انکے لئے آبحیات ہے اور ہمارے لئے زہر ہلاہل۔ اگر
ہوا میں یہ زہریلا جز نہ رہے تو دنیا کی سرسبزی غارت ہو جائے۔ اور سرسبزی اس جز کو چوس کر ہوا
کو صاف نہ کرتے رہیں تو ہم ایکدن میں آکسیجن کے ہم نہ پہونچنے سے دم گھٹکر مر جائیں۔

درختوں کے پتے ہوا کو اسطرح جذب کرتے ہیں جسطرح ہم پھیپھڑوں سے سانس
لیتے ہیں۔ خدا کی قدرت دیکھو جہاں کوسوں آبادی کا نام و نشان نہیں ہوتا۔ وہاں محض جنگلی
درخت ہوتے ہیں جیسے تاڑ۔ کھجور۔ ناریل۔ دیار۔ کیونکہ زیادہ گھن کے پتے دار درختوں کی
وہیں ضرورت ہے جہاں آبادی ہے اور تنفس وغیرہ سے کاربن گیس ہوا میں ملتی رہتی ہے۔ دور
دراز غیر آباد جنگلوں میں اسقدر صفائی کی حاجت نہیں۔ اس لیئے وہاں درخت بھی وہی ہوتے
ہیں جنمیں پتے بہت کم ہوتے ہیں۔

ظاہر ہے کہ غذا۔ پانی۔ ہوا۔ تینوں میں سب سے زیادہ ضروری اور اشد ضروری چیز ہوا ہے
جسکے بغیر چند منٹ بھی انسان زندہ نہیں رہ سکتا اور اسکا صاف رہنا بھی لازمی ہے۔ اگر یہ وسیع
خاموش محکمہ صفائی خدا تعالیٰ اپنی رحمت سے نہ پیدا کرتا تو یہ انتظام انسانی طاقت سے باہر تھا۔ یہ
محکمہ اپنے فرائض میں کبھی غلطی و غفلت نہیں کرتا اور ایسا دیانتدار ہے کہ ہوا میں سے ہمارا حصہ مطلق
نہیں چراتا۔ بلکہ اسکو زہر سمجھتا ہے۔

یہانتک جو کچھ بیان ہوا۔ اس سے یہ نتیجہ نکل سکتا ہے کہ عالم موجودات میں نظام ہے۔ علت ومعلول میں التزام ہے۔ قدرت نے ہر شے سے ایک خاص غرض رکھی ہے اس غرض کے خاطر خواہ حاصل ہونیکے سامان پیدا کئے ہیں۔ شے مذکور کے حفظ وقیام کے لئے نہایت مناسب انتظام کیا ہے یہ سب باتیں عالم نباتات میں یقیناً عام طور پر پائی جاتی ہیں۔ آؤاب دیکھیں حیوانات کی کیا کیفیت ہے؟

دنیا میں جسقدر جاندار ہیں ہر ایک کے ساتھ قدرت نے دفع مضرت کے ہتھیار اور جلب منفعت کے اوزار پیدا کرئے ہیں اور انکی ضروریات وعادات میں ایسی مناسبت رکھی ہے کہ جسکو جیسی زندگی بسر کرنی ہے ویسے ہی اسکو ہاتھ پاؤں۔ آنکھ۔ ناک۔ وہی ہے۔ سرد ملکو ںکے کتوں کو بڑی بڑی پشم ملی ہے اور گرم ملک کے جانوروں کو چھوٹی چھوٹی۔ تمام جانور اپنا مناسب لباس اپنے ساتھ لیکر ماں کے پیٹ سے پیدا ہوتے ہیں اور وہ لباس انکی حرارت اور برودت کے لحاظ سے بالکل موزون ہوتا ہے۔ پرندوں کو دیکھئے کیسا ہلکا پھلکا جسم ملا ہے کہ ہوا کے گھوڑے پر سوار ہوکے ملکوں ملکوں نیا دانا کھاتے نیا پانی پیتے۔ اڑتے اور مزے اڑاتے پھرتے ہیں۔ کوئی بیری دشمن آجاتا ہے تو ایک فرا نا بھر کر ہوا ہو جاتے ہیں۔ چرندوں کو خیال کیجئے کیسے مضبوط چالاک چار پاؤں اور ہٹلا ڈیل ڈول دیا ہے۔ انکے پاس ... بڑی کائنات پاؤں ہی تھے۔ انپر حفاظت کے لئے سموں کی شامیں جڑ دی ہیں انمیں سے بعضوں کو سینگوں کی سنگینیں بھی عطا ہوئی ہیں۔ کہ دشمنوں کا مقابلہ کر سکیں۔ درندونکی خوراک گوشت ہے۔ انکو خونخوار کیلئے اور چیرنے پھاڑنے کے ڈھب کے پنجے اور ناخن دئے ہیں۔ جو کھر پھٹے ہوئے جانور ہیں انکو جگالی کرنے کے لئے پیسنے والی ڈاڑھیں اور اسی قسم کا جبڑا دیا ہے۔ پرندوں کے نہ ڈاڑھیں ہیں نہ دانت اور نہ کیلئے وہ ثابت اناج وغیرہ کے دانے کھاتے ہیں۔ اسلئے انکے معدے میں اس قیامت کی آگ پیدا کر دی ہے کہ جو کچھ کھا جائیں بے چبائے ثابت کا ثابت سب ہضم۔ پتھر اور دھات کے ٹکڑے تک پانی ہو جاتے ہیں۔

کہنے کو تو پرندہ ایک لفظ ہے جسمیں تمام پردار جانور آجاتے ہیں۔ مگر اڑنے والے جانوروں میں بھی ہر پکھیرو ... اپنی قطع وضع۔ خو۔ بو۔ رنگ روپ۔ جدا ہی رکھتا ہے اور قدرت سے ہر ایک نے علیحدہ ہی حصہ پایا ہے۔ مثلاً پانی میں تیرنے والے جانوروں کے جسم کشتی نما ہوتے ہیں پنجوں پر کھال کے دستانے چڑھے ہوئے ہیں جو چپوں کیطرح پانی کاٹتے ہیں۔ پروں پر ایک قسم کا

لوگ اسکا کیریکٹر بنتے ہیں جیسے ایک دفعہ بات ثابت ہو جاتی ہے وہ اسپر مضبوط ہو جاتے ہیں۔ انگلینڈ کے مشہور فلاسفر جان سٹوارٹ مل صاحب کا قول ہے کہ "کسی ریاست کی قیمت بالآخر ان انسانوں کی قابلیت پر منحصر ہے جو اسکے اندر ہیں"۔ زندگی کی قیمت سداچار سے جانی جاتی ہے۔ جب ہمکو معلوم ہو گیا کہ یہ کام برا ہے۔ اسیوقت ہمیں اسکے چھوڑنے پر تیار ہو جانا چاہئے جب ہمارے ضمیر سے آواز آتی ہے کہ یہ کام تیرے کرنے لائق نہیں۔ شرم جو فطرتی ہمکو ودیعت ہوا ہے کبھی اس کام کے کرنیکا نام مت لو۔ ہمارے اپنے اچھے برے کاموں پر ہمارا مستقبل منحصر ہے۔ انگریزی میں ایک ضرب المثل ہے جسکا مطلب یہ ہے کہ "اچھے کام اچھے دل سے ہوتے ہیں" ہر ایک انسان راگی۔ شاعر اور سائنس دان نہیں بن سکتا لیکن سداچاری ہر ایک آدمی بن سکتا ہے۔ ہم میں سے ہر ایک کو یہ بخوبی ذہن نشین کر لینا چاہئے کہ بالیقین دنیاوی ترقی کی جڑ سداچار ہے۔

جب ہم مختلف قوموں کی ترقی اور تنزلی کی تاریخ پر نظر ڈالتے ہیں تو اس سے ہمکو یہی سبق ملتا ہے۔ روم کی تواریخ پڑھنے سے پتا لگتا ہے کہ جبتک انمیں کثرت ایسے لوگوں کی رہی کہ جو ایمانداری کو سچا سمجھتے تھے کہ سخت سے سخت مصیبت آپڑنے پر بھی ہراساں نہیں ہوتے تھے جنکو دنیاوی اغراض اپنے فرائض سے گمراہ نہیں کر سکتی تھیں جو قول و اقرار کے پکے تھے جو جاہ و حشمت کو حاصل کرکے بھی غرور و نخوت میں نہیں پھنس جاتے تھے۔ تب تک روم ایک زبردست سلطنت بنی رہی۔ اہل روما کی ترقی اور اقبال کا ستارہ عروج پر رہا۔ لیکن جبسے دولت کے نشہ میں مخمور ہو کر دنیاوی عیش و عشرت میں پھنس گئے۔ جھوٹ و دغابازی اور مکاری کو ساتھی بنایا۔ خواہشوں کے غلام ہو گئے۔ باہم نفاق کی آگ بھڑک اٹھی تو روم وہ روم نہ رہا۔ بلکہ اسکا نام اور کام خواب و خیال ہو گیا۔ مسلمانوں کی ابتدائی تاریخ کے مطالعہ سے پتہ لگتا ہے کہ کس قسم کے نیک لوگ انکے اندر تھے۔ بابر نے جب کبھی کوئی فتح حاصل کی سب سے پہلے خدا کے سامنے سر جھکایا اور کہا کہ "اے پروردگار یہ سب تیرا ہی کرم و فضل ہے" انکساری اسکی طبیعت میں ایسی جاری تھی کہ کبھی اپنی شجاعت کے گیت نہ گاتا تھا۔ سخت سے سخت مصیبت آپڑنے پر بھی خدا پر بھروسہ رکھتا ہوا اسکے دفعیہ کی کوشش کرتا تھا۔ دشمن اسکے نیک اوصاف

سے متاثر ہوکر دوست بنجاتے تھے ایک دفعہ کا ذکر ہے کہ ایک دِل چلا راجپوت اُسکو قتل کرنے کے اِرادے سے وہاں گیا اور مدّت تک دن رات اسی فکر میں پھرتا رہا کہ کب موقعہ ہاتھ لگے اور اُسکا کام تمام کرے وہ بابر کو جانتا نہیں تھا ایک دن ایک مست ہاتھی چھوٹ گیا اور بازاروں میں بھاگا بھاگا پھرتا تھا۔ کئی آدمی اُسنے مار ڈالے۔ راجپوت جس بازار میں کھڑا تھا اسطرف وہ ہاتھی بھاگتا ہوا آیا۔ کسی ماں کا بچہ بازار میں کھڑا تھا اسطرف وہ بھاگتا ہوا آیا۔ ماں خوف زدہ اُسکو بچانیکے لیے چلا رہی تھی لیکن کوئی شخص اسکو بچانیکی جرأت نہ کرسکا۔ آخر کار ایکطرف سے ایک بہادر نکلا جسنے جھپٹ کر بچے کو اُٹھا لیا۔ اُس جھپٹ میں اسکی پگڑی ہلگئی بہادر راجپوت تاڑ گیا کہ یہ ضرور بابر ہے وہ بابر کی بہادری پر فریفتہ ہوگیا اور اپنا خنجر اسکے ہاتھ میں دیکر اُسکے پاؤں پر گر پڑا اور سب ماجرا اُسکو کہہ سنایا بابر نے نہائت خوش ہوکر اسکو اپنی فوج کا افسر مقرر کردیا۔ ایسے اعلیٰ اوصاف سے متصف شخص نے مغلیہ سلطنت کی بنیاد ڈالی۔ ایسے ہی تاجداروں کے پرتاپ سے سلطنت مغلیہ دی گریٹ مغل امپائر کے نام سے مشہور ہوئی۔ لیکن جب اُنکے جانشین سداچار کو چھوڑ کر دُراچار میں پھنس گئے۔ شب و روز گناہوں میں دلیر اور عیش و عشرت میں غرق ہوگئے اور اُنکی دیکھا دیکھی رعایا بھی بکثرت بگڑ گئی تو زوال نے تھوڑے ہی دنوں میں تمام جاہ و جلال کا خاتمہ کردیا۔

آؤ ذرا آریہ ورت کے اتہاس پر بھی نظر ڈالیں۔ یہ بھی تو کسی زمانہ میں سب ملکوں کا سرتاج تھا۔ آج بھی تو اُسکے مہا پرشوں کے نام دلوں کے اندر خوشی اور شانتی پیدا کرتے ہیں۔ دنیا میں شاید ہی کوئی ایسا عالم ہوگا جو کہ مریادا پرشوتم مہاراجہ رامچندر جی کے نام و کام سے واقف نہ ہوگا۔ اپنے والد بزرگوار کے حکم کی بجا آوری میں بھیانک بن و جنگل کے دُکھوں کو بالکل ہیچ سمجھا اور اپنی وفادار بیوی کے ہمراہ چودہ برس برہمچاریوں کی طرح ڈنڈک بن میں کاٹ دیئے۔ لیکن حرف شکائت زبان پر نہیں لائے۔ آہا کیسا پاک جیون تھا۔ اس مہا پرش کے اعلیٰ اوصاف کا خیال آتے ہی دل شردھا اور بھگتی سے بھر جاتا ہے۔ رشی سرنگی کا دھیان جسوقت آتا ہے۔ من گدگد ہو جاتا ہے۔ ۲۷ برس کی عمر اور جانتے نہیں کہ عورت کیا اور وشئہ کیا۔ دھن ہو بھارت تم دھن ہو ایسی سنتان تمہاری تھی۔ تبھی تو جس اصول کی تعلیم تیرے ہاں ہے وہ ادھوری

نہیں بلکہ مکمل ہے دواپر کال کے بال برہمچاری راجرشی بھیشم پتامہ کے بینظیر جیون کو بھارت سنتان کیا تو بھول گئی! جسمانی بل دیکھو تو پورا۔ روحانی بل دیکھو تو پورا۔ کوئی خامی اُنکے جیون میں نہیں پاؤگے۔ انکی زندگی ایک مکمل زندگی تھی بانوں کی سیج پر لیٹ کر اُپدیش کرنا آپ ہی کا کام تھا۔ وہاں بھی آپ نے سداچاری کا اُپدیش کیا

بھارت جننی! اگرچہ آج ہم تجکو بیکس، ویلے بس پاتے ہیں آج تیری سنتان سب قوموں کی تمسخر کا باعث بن رہی ہے آج تیرے فرزند اپنے فرائض کو بالکل فراموش کئے ہوئے ہیں آج تیرے لخت جگر مارے مارے پھرتے ہیں لیکن تیری بینظیر ترقی کا اتہاس پکار پکار کر کہہ رہا ہے کہ جبکہ ترقیوں کا باعث تمام جاہ وجلال کا دینے والا۔ سب سکھوں کی جڑ دیش اور جاتی کا سچا اُدھار کرنے والا اگر کوئی سادھن ہے تو وہ سداچار ہے۔ اپنی حکمران قوم کے ابتدائی زمانہ کی زندگیوں کا مطالعہ کروگے تو وہاں بھی آپکو سداچاری کی مہما نظر آویگی **سر ہنری لارنس** کا ویرم بھاؤ **سر چارلس نیپیئر** کی صداقت شعاری **ڈیوک آف ولنگٹن** کی زندگی کے واقعات ایسے سبق آموز ہیں کہ جنکو پڑھ کر کہنا پڑتا ہے کہ سداچاری لوگ قوم کی جان اور سوسائیٹی کی روح ہیں اسی لئے امریکن مہاتما **رالف ایمرسن** کہتا ہے کہ سداچاری لوگ جس سوسائٹی سے تعلق رکھتے ہیں اُسکی وہ ضمیر ہیں۔ انسان کیسا ہی عالم فاضل کیوں نہ ہو۔ کسی علم کا غیر معمولی عالم کیوں نہ ہو وہ دوسرے شخص، یا قوم کا وشواس پاتر نہیں ہو سکتا۔ جو شخص خلاف قاعدہ دُراچاری لوگوں کے سہارے کوئی کام شروع کرتا بھی ہے تو اُسے کامیابی نصیب نہیں ہوتی۔ **لارڈ رسل** نے ایکمرتبہ انگریزوں کی نسبت کہا تھا کہ "انگلستان کے لوگوں کا قاعدہ ہے کہ وہ عقلمند عالم اور ہوشیار آدمیوں سے امداد لیتے ہیں لیکن وشواس انہیں کا کرتے ہیں جو سداچاری ہیں سداچار کے گن دنیا پر حکمرانی کرتے ہیں۔ پرماتما نیاکاری ہے دنیا کے تمام انسان اسکے سامنے ایک جیسے ہیں اور اُسنے کرم کرنے میں سبکو آزادی بخش رکھی ہے اچھے بُرے کام کرنا انسان کے اختیار میں ہے کیونکہ وہ فعل مختار ہے۔ اسلئے جو قوم الٰہی ضابطہ کے مطابق سداچار روپی کلپ برکشوں کو سینچتی ہے وہی پھلتی پھولتی ہے اور سبکی سرتاج بنتی ہے **نپولین اول** نے ایکدفعہ جنگ میں کہا تھا کہ اخلاق کی طاقت اور جسم کی طاقت میں دس اور ایک کی نسبت ہے"۔ اسکا

نفس مرتا ہے کہ جو کام ہزاروں شخص کر سکتے ہیں وہ روحانی طاقت رکھنے والا ایک ہی کر سکتا
جرمنی کا مشہور رفارمر لوتھر ایک مفلس شخص تھا کبھی کبھی اسکے کھانے کو روٹی تک نصیب
نہیں ہوتی تھی۔ لیکن اس سے جرمنی کے حکمران کانپتے تھے۔ لوگ اسکی خاطر اپنی جانیں قربان
کرنیکو تیار تھے۔ اسنے اپنی زندگی میں ہزاروں کے خیالات کو پلٹ دیا۔ اسکے پاس کوئی لاؤ
لشکر نہیں تھا۔ وہ کوئی بڑا چالاک شخص نہیں تھا۔ لیکن اسکے اندر ایک عجیب طاقت تھی جسکے سامنے
تمام طاقتیں ماند پڑ جاتی ہیں۔ وہ روحانی طاقت ہے جو کہ پرماتما کے اوصاف کو اپنا میں دھارن
کرنے سے انسان کے اندر پیدا ہوتی ہے۔ یونان کا حکیم سقراط اپنے زمانہ کا لاثانی انسان ہو گذرا
ہے جسنے اپنے عقیدہ کی خاطر ہر قسم کی تکلیفیں برداشت کیں اسکے درشن کرنیکو دور دور سے
لوگ آتے تھے اور اسکی صحبت و باتوں سے فائدہ اٹھاتے تھے۔ اسکی باتیں ایسی اعلیٰ ہیں
کہ جبتک سورج چاند اور ستارے موجود ہیں سقراط کا نام صفحہ ہستی سے نہیں مٹ سکتا ایسے
ایسے اعلیٰ چلن کے لوگوں کے طفیل ہی یونان نے وہ اعلیٰ رتبہ پایا کہ دنیا بھر کی قومیں اسکی عظمت کے
سامنے سر جھکاتی ہیں۔ لوئی چہاردہم کے عہد میں فرانس کی فوج نے کئی مرتبہ ہالینڈ پر چڑھائی کی
لیکن فتح حاصل نہ کر سکی۔ شہنشاہ لوئی نے جب ہالینڈ کو فتح نہ ہوتے دیکھا پوچھا کیا سبب ہے کہ
فرانس جیسا بڑا ملک ہالینڈ جیسے چھوٹے ملک کو فتح نہیں کر سکتا؟ تو عالم وزیر نے جواب دیا۔
"جناب عالی کسی ملک کی عظمت اسکی وسعت پر منحصر نہیں بلکہ اسکے باشندوں کے آچرنوں پر انحصار رکھتی
ہے"۔ اہل ہالینڈ جانتے تھے کہ ہمارا فرض کیا ہے۔ ہر ایک شخص اپنی ماتری بھومی کی خاطر اپنا سب
کچھ قربان کرنیکو تیار تھا۔ کوئی وجہ نہیں تھی کہ کوئی قوم اسے فتح کر سکتی۔ جاپان کی تھوڑے
ہی عرصہ میں عجیب و غریب ترقی کا اصل سبب یہی ہے کہ روح حب وطن جاپان کے فرزندوں
کے دلوں میں حب ملک کی ایسی آگ بھڑکی۔ جب انہوں نے محسوس کیا کہ اپنا آپ اپنی ماتری
بھومی کی خاطر قربان کئے بغیر ویش ادتی کا ہونا ناممکن ہے۔ فوراً خودغرضی کو خیرباد کہکر اپنے فرائض
کی ادائیگی پر کمربستہ ہو گئے۔ محبت اور مساوات کو ساتھی بنایا۔ دوسرے ملکوں کی راہ لی۔
صبر استقلال۔ اولوالعزمی۔ کشادہ دلی وغیرہ اعلیٰ اوصاف سے آراستہ۔ نرا جاپانی ہی نہیں
علم میں بھی رہے۔ جب علم کے زیور سے بھی آراستہ ہو گئے تو ماتری بھومی کو دیوتے اور اپنی کل

زندگیوں میں لنشکام بھاؤ پیدا کر اپنے ملک کی ترقی میں لگ گئے۔ احکام ایزدی
کو بجالائے۔ تہوڑے ہی عرصہ میں کامیاب ہوگئے۔ آج تمام قوموں کی نگاہیں ان پر
لگ رہی ہیں۔ کیوں نہ ہو یہاں پکشپات نہیں یہ کسی کے گھر کی جائداد نہیں یہ تو کرموں کا پھل
ہے تبھی سوامی تلسی داس جی کہتے ہیں کہ "کرم پردھان وشو کر راکھا۔ جب پھل کہے تو لس
پھل چاکھا"۔ پورٹ آرتھر فتح کرکے بہادر جاپانی غرور میں نہیں آگئے۔ لڑائی میں دشمن کے
جو لوگ قبضہ میں آئے اُنکے ساتھ دوستانہ سلوک کیا۔ اپنے فرائض و ذمہ واریوں کو فتحیاب
ہونے پر بھی نہیں بھولے۔ اپنے ملک کی خدمت میں لنشکام بھاؤ سے ہمہ تن مصروف ہیں
پرماتما بھی انکو انکی ہمت کا ثمرہ دے رہا ہے۔ سداچاری شخص کی تعریف کرتے ہوئے
مشہور شاعر ورڈس ورتھ رطب اللسان ہے کہ "سداچاری شخص بزدل ہوکر الجھنوں میں
نہیں پڑتا۔ جہاں فرض بلاتا ہے وہ کامل یقین کے ساتھ آگے بڑہتا ہے۔ اس فرض کے ادا
کرنے میں ہزاروں دُکھوں کا مقابلہ کرتا ہے۔ اور پرماتما پر وشواس کرتا ہوا ان سب پر فتحیاب ہوتا ہے"

بھارت ورش کے تنزل و ادبار کے زمانہ میں بھی بہت سی اس قسم کی آتمائیں ہوگئی ہیں
کہ جنکی پاک زندگیوں سے بھارت سنتان ولیش بھگتی کے اعلیٰ سے اعلیٰ سبق سیکھ سکتی ہے
رانا پرتاپ کا نام کون الیا پڑھا لکھا ہے جو نہیں جانتا۔ آپکی زندگی عجیب ہے۔ ۲۹ برس تک
اکیلا یہ شیر مرد شہنشاہ اکبر سے لڑتا بھرتا رہا مصیبتوں پر مصیبتیں اُٹھائیں لیکن اپنے غرض کو
نہیں چھوڑا۔ جنگل کے پھلوں اور اناج پر گذارہ کیا لیکن اپنے اُدلیشیہ سے منہ نہیں موڑا۔
پہ بھیاریوں کی طرح ۲۶ برس اروِلی کے پہاڑوں میں کاٹ ڈالے لیکن ولیش بھگتی کی اگنی
شانت نہ ہوئی۔

وہ یہہ کہتا تھا کہ شِشودیا بنس کا بچہ یون کے سامنے سر نہیں جھکا ویگا" بیر نے اس
عہد کو آخری دم تک نبہایا۔ الدہی گھاٹ کی مشہور لڑائی میں سات گھاؤ کھائے۔ معمولی
نہیں بلکہ کئی جگہوں سے خون بہہ رہا تھا۔ مگر مجال کیا جو فرض سے ہٹنے کا نام لیوے معلوم ہوتا
تھا کہ سچ مچ گانڈیو دہاری ارجن آج لڑائی میں وراجمان ہے۔ ایسے ایسے بیر بچوں کے بچے
جنکی تعریف کٹر سے کٹر مخالفوں نے بھی کی ہے۔ جانی کے بچوں کے لئے آدرش کے ہوگیہ ہیں

ویریہ کے روکنے والے لذات نفسانی کو ہیچ سمجھنے والے۔ صبر و استقلال کی مورتیاں بھارت
سنتان کے دلوں میں .... : کھچت کر نے ہوگیے ہیں۔ یہہ اوصاف ہیں
جنپر قوموں کی ترقی کا دارو مدار ہے۔ یہہ وہ شاہراہ ہے جسپر چلکر ہر ایک قوم منزل مقصود تک
پہونچ سکتی ہے۔ ہر ایک بات کا آغاز اپنے آپ سے ہوتا ہے۔ ہمارا اپنا جسم ایک سلطنت ہے
جسپر ہم لوگوں کو اقتدار حاصل کرنا ہے جسنے اپنے آپ پر حکمرانی کی ہے وہ دنیا پر حکمرانی کرسکتا
ہے۔

ترقی کے اتہاس کا بغور مطالعہ کرنیسے معلوم ہوا کہ دنیاوی ترقی کا مول (جڑھ) سداچار
ہے۔ دنیاوی جاہ و جلال حاصل کرنے کے لئے بہی سداچار کی ضرورت ہے۔ سداچار کی شاہراہ پر
چلکر ہی دنیا کی مختلف قوموں کو اعلیٰ سے اعلیٰ درجہ کی ترقی نصیب ہوئی اب ہم دوسری ترقی
کے متعلق غور کرتے ہیں۔ دوسری قسم کی ترقی روحانی ترقی ہے جس سے انسان آتما کا کلیان
کرتا ہوا۔ اُسکا تعلق پرماتما سے جوڑتا ہے۔ تمام وِدوان اسبارہ میں متفق الرائے ہیں کہ انتہ کرن
(باطن) کے تزکیہ۔ دل کی بشاشت اور یکسوئی۔ حواس کی مغلوبی و آتما میں علم کا نور اور حصول معرفت
کی قابلیت کا مقدم سادہن یوگ یا تصوف ہے۔ یہہ ایک راستہ ہے جسپر چلتے ہوئے آریہ ورت
اور دوسرے ملکوں کے عابدوں نے اس مہان شکتی کے درشن پائے اور جنم مرن کے بندہنوں سے
چھوٹ کر موکش کے پاک آنند میں محو ہوگئے۔

مہرشی پتنجلی جی کا یوگ درشن تمام دنیا کے عالموں اور عابدوں میں بڑی وقعت
کی نگاہ سے دیکھا جاتا ہے۔ کسی عالم کا خواہ کسی مت سے تعلق ہو یوگ ودیا کے عالمگیر
اصولوں کے سامنے اُسے سر تسلیم خم کرنا پڑتا ہے۔ یوگ کی تعریف کرتے ہوئے مہرشی
پتنجلی لکھتے ہیں کہ "چت (طبیعت) کی برتیوں (حالتوں) کے نرودہ کرنے (روکنے) کا نام
یوگ ہے" اور اس یوگ کے مہرشی نے آٹھ انگ (درجے) بتلائے ہیں جنکے نام یہ ہیں۔
یم۔ نیم۔ آسن۔ پرانایام۔ پرتیاہار۔ دہارنا۔ دہیان۔ سمادہی ان میں سے یم یہہ ہیں:-
اہنسا۔ ستیہ۔ استے یہ۔ برہمچریہ۔ اپرگرہ انمیں سے (۱) اہنسا سب جانداروں
سے محبت رکھتا ہے۔ کسی کو بالکل ایذا نہ دینا۔ سب کے ساتھ محبت سے دہرم کے مطابق جیسا

چاہیئے ویسا سلوک کرنا۔ دوسرے کے دکھ کو اپنا دُکھ۔ دوسرے کی ترقی کو اپنی ترقی سمجھنا اسکا نام اہنسا ہے۔ (۲) ستیہ اُسے کہتے ہیں کہ جیسا دل میں سچا علم ہو ویسا ہی زبان سے کہے۔ جیسا دیکھا سنا یا قیاس کیا ہو ویسا ہی اپنے دل میں رکھے اور اُسی کو زبان پر لاوے۔ خود غرضی میں پڑکر کسی کے ساتھ دھوکہ نہ کرے۔ سچائی کے قبول کرنے اور جھوٹ کے چھوڑنے پر ہمیشہ مستعد رہے (۳) خلاف قانون بطریق ناجائز دوسرے کی چیز یا مال کو لینا..... ستیہ (چوری) کہلاتا ہے۔ اور ایسا نہ کرنے کو استیہ کہتے ہیں استیہ سے حرص نہ کرنا بھی مراد ہے (۴) برہمچریہ حفاظت منی اور شہوت کے مغلوب کرنے کو کہتے ہیں (۵) نفس پرستی۔ فراہمی سامان دنیا کی حفاظت کی فکر اور اسکے فنا یا ضائع ہو جانے کے رنج میں ہنسا کے برابر پاپ سمجھنا اور انمیں نہ پھنسنا یعنی اُنسے دل ہٹانا اپرگرہ کہلاتا ہے۔ نیم یہہ ہیں:۔ شوچ سنتوش۔ تپ۔ سوادھیائے۔ ایشور پرنیدھان۔ (۱) شوچ (صفائی) دو قسم کی ہوتی ہے۔ بیرونی اور اندرونی۔ اس بارہ میں مہرشی منو فرماتے ہیں کہ "پانی سے جسم کے بیرونی اعضا صاف ہوتے ہیں۔ سچائی سے دل پاک ہوتا ہے۔ ودیا اور تپ سے جیو آتما پوتر ہوتا ہے اور گیان سے بدہی شدہ ہوتی ہے"۔ (۲) کویوں نے سنتوش پرم دھن مانا ہے۔ یعنی وہ شخص جو اپنی کوشش ہی حاصل کیئے ہوئے دھن یا پھل پر قانع رہتا ہے وہ سب سے بڑا دولتمند ہے (۳) تپ سے یہہ مراد ہے کہ خواہ کتنی ہی تکلیفیں کیوں نہ ہوں۔ ہمیشہ دھرم کی پابندی رکھنی (۴) وید وغیرہ سچے شاستروں کا پڑھنا پڑھانا۔ پرنو (اوم) کا جپ کرنا اور اسکے معنی پر غور کرنا سوادھیائے کہلاتا ہے۔ (۵) اپنی آتما اور تمام دولت وحشمت کو ایشور کے سمرپن (نذر) کر دینا ایشور پرنیدھان کہلاتا ہے۔ مہرشی نے یموں اور نیموں پر لکھتے ہوئے ہر ایک کے پھل بتلائے ہیں کہ ان کو دھارن کرنے سے کیا فائدہ ہوگا۔ جیسے اہنسا کے پھل (ثمرہ) کے بارہ میں لکھتے ہوئے فرماتے ہیں کہ جب انسان اہنسا کے دھرم میں قائم ہو جاتا ہے۔ تب اُسکے دل سے دشمنی کا خیال قطعی چھوٹ جاتا ہے۔ بلکہ اُسکے سامنے یا اسکی صحبت سے دوسرے بھی دشمنی چھوڑ دیتے ہیں" اسیطرح ہر ایک یم اور نیم کا پھل بتلایا ہے۔ آپ اس سے دیکھ سکتے ہیں کہ روحانی ترقی کے سادھن ہی وہی اوصاف ہیں جو کہ دنیاوی ترقی کے لئے ضروری ہیں یعنی محبت۔ سچائی۔ انکساری۔ استقلال۔ قناعت

ضبط الحواس وغیرہ انکے بغیر کوئی ترقی نہیں ہو سکتی۔ خواہ انسان دنیاوی ترقی کی خواہش کرے خواہ روحانی ترقی کرکے پرم دیو پرماتما کی پریم گود میں بیٹھنا چاہے۔ ترقی کا اتھاس ہمیں بتلاتا ہے کہ اُسے ایک ہی شاہراہ پر چلنا پڑیگا۔ اور وہ شاہراہ سداچار ہے۔ سداچاری ہوئے بغیر حفاظت سنی نہیں ہو سکتی۔ سداچار کو اختیار کئے بغیر انسان دنیا کے بھیانک یدھ میں ٹھہر نہیں سکتا بزدلوں کی طرح دُم دبا کر بھاگ جانا پڑتا ہے جیسے وحشیوں کے گھاؤں کو برداشت نہ کرکے انسان اُنکے قابو آجاتا ہے۔ اسی طرح سنسار کے تھپیڑوں سے الٹ پلٹ ہو کر اپنا سب کچھ کھو بیٹھتا ہے۔ ترقی کے راز کو سمجھو! اسکی اصلیت کو پہچانو۔ اور لوح دل پر سنہری حروف میں لکھ لو کہ ترقی کا مول سداچار ہے"

بھارت ورش کے اندر اسوقت ترقی ترقی کی پکار مچ رہی ہے جیسے کوئی شخص گہری نیند میں اچانک چونک اُٹھتا ہے اور اپنی چیزوں کو لپنے پاس نہ دیکھکر حراسان و پریشان "میں لٹ گیا میں لٹ گیا" کی پکار مچاتا ہے۔ لیکن لوٹ لینے والے کا سُراغ لگانیکی کوشش نہیں کرتا۔ ٹھیک یہی حالت اسوقت ہماری ہو رہی ہے۔ گہری نیند میں بےخبر پڑے تھے کسی نے آکر جگا دیا۔ اور سمجھا دیا کہ تمہاری غفلت سے کیا کیا ہو گیا۔ اب لگے چلانے۔ اپنی اپنی ترقی کی جدا جدا فکر ہوئی۔ کئی قسم کی سبھا سوسائٹیاں بن رہی ہیں اور ترقی کرنے کی تدابیر سوچی جا رہی ہیں کئی سبھائیں بن کر ٹوٹ گئیں اور کام کرنے والے بیچارے ناامید ہو کر بیٹھ رہے۔ ہر ایک اپنی اپنی سبھا یا سماج کی تعداد بڑھانے کی فکر میں ہے اور اپنے رجسٹروں پر کثرت تعداد ممبران سے ترقی کا اندازہ لگا رہا ہے لیکن پہلے اصلی سبب کیطرف کبھی دھیان نہیں دیا۔ کسی بیماری کا جبتک سبب معلوم نہو اسکا دور کرنا ناممکن ہے جو لوگ ہماری سبھا یا سماجوں میں داخل ہیں ہمیں اُنکی زندگیوں کی پڑتال کرنی چاہیے ڈوسٹرلی صاحب نے سچ کہا ہے کہ "ہم انجمنوں پر زیادہ اعتماد رکھتے ہیں لیکن آدمیوں کی طرف بہت کم توجہ دیتے ہیں"۔ ایک سماج کا ممبر دوسری سماج کے ممبر کا دشمن نظر آتا ہے اپنا وقت اور طاقت ایک دوسرے کو بھلا برا کہنے میں خرچ کرتے ہیں اپنے سماج کے سبھاسدوں کی زندگیاں کیسی ہی کری ہوئی کیوں نہوں۔ اسکی مطلق پرواہ نہیں ہے اُنکی پردہ پوشی کرکے دوسروں کے عیوب ظاہر کرنے کی کوشش کریگا۔ ہمارے خیالات اگر کسی سوسائٹی سے کسی پہلو میں نہیں ملتے تو ہم اُسی

وقت اُسکی باقی خوبیوں کو بھی نظرانداز کر دیتے ہیں۔ سب جگہہ تعصب کا دور دورہ ہے۔ ایسی
قابل افسوس حالت میں کب ممکن ہے کہ ہم ترقی کر سکیں اصول کیسے ہی اعلیٰ کیوں نہوں
لیکن وے بیجان ہیں۔ اُنکی قدر و منزلت اُنکو زندگی میں ڈہالنے پر ظاہر ہوگی۔ اسپارہ میں
رسکن نے کیا ہی عمدہ کہا ہے کہ "ہم جو کچھہ سوچتے جانتے یا مانتے ہیں اس سے انجام کار
ہمیں کوئی فائدہ نہیں ہوگا۔ صرف ہمارا عمل پھلدایک ہوگا" جبتک ہم اپنے مانے ہوئے اصولوں
پر عمل نہیں کرتے۔ کوئی نہیں جان سکتا کہ اس سوسائٹی کے اصول اچھے ہیں۔ ایک شاعر
سوال کرتا ہے کہ عقلمندی کہاں سے حاصل ہوسکتی ہے؟ ودیا کا گھر کونسا ہے؟ وہ خود ہی جواب
دیتا ہے کہ "انسان انکی قیمت نہیں جانتا۔ یہہ سمندر کی گہرائی میں نہیں مل سکتیں روپیہ خرچ کرکے
انکا ملنا مشکل ہے۔ موتیوں اور ہیروں کے دام بھی اگر تلاش کریں تو ودیا نہیں ملسکتی" پھر کہاں
یہہ دو چیزیں ملینگی؟ اسکے جواب میں وہ کہتا ہے کہ "پرماتما سے ڈرنا عقلمندی ہے اور برائیوں سے بچنا
سچی ودیا ہے"۔ راست باز اور صداقت شعار ہو۔ سچائی ایک ایسی طاقت ہے جسکا مقابلہ کوئی نہیں
کر سکتا اسلئے رشی کہتے ہیں کہ "صداقت بڑی بھارت طاقت ہے۔ سچائی کے برابر کوئی دھرم نہیں
اور جھوٹ سے بڑھکر کوئی گناہ نہیں"۔ ہم سب اپنے آپ کو آستک کہتے ہیں لیکن درحقیقت پورے
ناستک ہیں۔ ہم کہتے ہیں کہ ایشور ہمہ جا حاضر ناظر ہے وہ محیط کل و بسیط کل ہے۔ ذرہ ذرہ کے اندر
موجود ہے۔ وہ ہمارے فعلوں کا نگہبان ہے۔ لیکن ہم کوئی پاپ کرنے لگتے ہیں تو انسانوں کے
خوف سے سب دروازے بند کرکے یہہ سمجھتے ہوئے کہ یہاں ہمیں کوئی نہیں دیکھتا پاپ کر
لیتے ہیں لیکن کیا وہ مہان شکتی اس پاپ کرم کو نہیں دیکھ رہی ہے؟ ضرور دیکھ رہی ہے۔
پلوٹارچ کہتا ہے کہ "ہمارا سچائی سے ہٹ جانا اسبات کو ثابت کرتا ہے کہ ہم پہلے خدا سے نفرت
کرتے ہیں اور پھر انسانوں سے ڈرتے ہیں"۔ ہمیں سوچنا چاہئے کہ ہم اپنے ادہشیہ میں کہاں تک
گرے ہیں۔ ہمیں ہمیشہ گناہوں سے نفرت* نہیں کرنی چاہئے کہ وہ فرضی بھوت پریت وغیرہ
اور تبت کے مہاتما۔ کوٹ ہومی لعل سنگہ کو مانتا ہے بلکہ علم و عقل سے اُسکو بتانا چاہئے
کہ بھائی ستھول سوکشم اور لنگ شریروں۔ سے شاستر کاروں کا یہہ مطلب ہے۔
انھیں سمجھانا چاہئے کہ بھائی یوگیوں کا کام سنسارک سدھیوں کا تماشہ دکھانا نہیں بلکہ آتمک

* اور اوصاف حسنہ کو اختیار کرنا چاہئے ہم اپنے بھائیوں سے نفرت کرکے گناہ کا بیج اپنے انتہ کرن

گیان کی طرف لیجاتا ہے۔ اسیطرح محبت سے باہم بات چیت وسمواد ہونا چاہئے۔ جن سوسائیٹیوں والے
ہمارا تعلق ہے ہمیں انکے ممبروں کی زندگیاں سدھارنی چاہئیں اور ہر وقت سداچار پر نظر رکھنی چاہیئے
نیک چلنی اور باہم محبت کا برتاؤ ایسے اعلیٰ اوصاف ہیں کہ جو زندگی کی شوبھا کو بڑھاتے ہیں
دن رات ہمارا انسانوں سے تعلق رہتا ہے۔ ہمارے ان اوصاف کا ہی بیوہار میں کام پڑتا ہے
بڑے بڑے سدھانت اگر ہم مانتے ہیں تو اُنسے ہمارا اپنا کوئی فائدہ ہوگا۔ لیکن اگر ہم سوسائٹی
کے ان اصولوں کی پرواہ نہیں کرتے تو سمجھ جانئے ہمارے اعلیٰ سدھانت زیادہ مفید نہیں
ہو سکتے۔ ہوا کی طرح ان سے ہمیں پل پل کام پڑتا ہے۔ انسانی سوسائٹی کے ساتھ ہمارا ایسا
ہی رشتہ ہے جیسا کہ تنفس کا جسم کے ساتھ۔ اسلئے سوسائٹی کے اصولوں کو ہمیں سب سے
پہلے سیکھنا چاہئے۔ کسی شخص کے ساتھ محبت سے بولنا۔ غور سے اسکی بات سننا۔ اسکے دُکھ درد
کو محسوس کرنا اُسے اپنی طرف کھینچتا ہے۔ جیسے مقناطیس اپنے خاص گنوں سے لوہے کو اپنے
دائرہ اثر کے اندر آتے ہی اپنی طرف کھینچ لیتا ہے۔ اسی طرح سداچار کے گُن ہیں۔ جو ان
گنوں کو اختیار کرتا ہے اسکے اندر ایک قسم کی کشش پیدا ہو جاتی ہے اور وہ اس کشش سے
انسانی سوسائٹی میں شانتی کا پرچار کرتا ہے۔ جتنی سبھا یا سماجیں اس ملک میں ہیں انکو اعلیٰ درجہ
کے نیک چلن آدمی پیدا کرنے کی کوشش کرنی چاہئے۔ اپنے ممبروں کو اس قسم کی تعلیم بھی دینی چاہیئے
جس سے کہ وہ باہم محبت اور ہمدردی کے بھاؤ کو پیدا کریں انکو اپنے اندر برداشت کی طاقت
پیدا کرنی چاہئے۔ کسی کے سامنے اگر اپنے خیالات ظاہر کریں تو شیریں کلامی سے کریں اسبات
کو مد نظر رکھتے ہوئے کہ ہمنے اسکو اپنا بنانا ہے نہ کہ کسی طرح اسکو نیچا دکھایا جاوے۔ دیش
سدھار کے لئے حواسوں کو قابو میں رکھنے والے انسان درکار ہیں۔ ویریہ وان پُرش بے انصافی
کو دور کر انصاف کو قائم کر سکتے ہیں۔ اہل سوٹزرلینڈ نے جسوقت اپنے ملک کو آزاد کرنے
کا عہد کیا تھا تو سب نے یہ نشچے کر لیا تھا کہ غلام اولاد پیدا نہیں کرینگے اور اپنے ویریہ کو روک
اور اندریوں کو قابو میں کر لذات نفسانی کو ہیچ سمجھ۔ یہ مضبوط عہد کر لیا تھا کہ اپنے دیش کو
آزاد کئے بغیر دنیاوی عیش و آرام حرام ہے۔ آخر ولیم ٹیل جیسے بہادر کے زیر فرمان ہو کر اپنے
ملک کو غلامی سے آزاد کیا۔ مبارک جیون تھا ان لوگوں کا۔ سچے دیش ہتیشی ایسے ہی ہوتے ہیں

خالی باتوں سے دیش ہت، نہیں ہو سکتا دیش ہتیشتا کا لفظ بڑا پیارا ہے۔ لیکن اسکی ذمہ واریاں بڑی بھاری ہیں۔ پہلے ذمہ واریوں کو سمجھو اور پھر دیش ہت (حب ملک) کا نام لو۔ بال برہمچاری میزینی اٹلی کو آزاد کر کے امر ہو گیا۔ اُسکی زندگی کی پڑتال کرو۔ کیسی سچی دھن تھی۔ دن رات یہی خیال۔ یہی بات۔ یہی وچار۔ اپنے اُدیشہ میں دیوانہ تھا۔ دنیا کا کوئی دوسرا کام اُسکو پسند نہیں تھا۔ صرف سچی دیش ہتیشتا کی اُسکو لگن تھی۔ کئی ایک دولتمند عورتوں نے میزینی سے شادی کی درخواست کی لیکن اُسنے سب کو یہی جواب دیا کہ "میں اٹلی کے ساتھ اپنی شادی کر چکا ہوں اور اسی کے لئے میری جان جائیگی" ہم دن کو دیش ہت کے لئے بڑے لمبے لیکچر دیں اور رات کو تھیئٹر میں جا کر گل بکاؤلی کا تماشہ دیکھیں۔ گھر میں آگ لگی ہو اور لسیر ناچ تماشے۔ خوب ملک کی ترقی ہوگی۔ ترقی کا راستہ بڑا دشوار گذار ہے۔ اسکے لئے تن من دھن قربان کرنیکی ضرورت ہے اگر ہم میں سے ایک ایک آدمی عہد کرے کہ میں اپنی زندگی کو پاک بناؤنگا اور اس طرح اعلیٰ زندگی بسر کرتے ہوئے اپنے فرض کے سامنے دنیاوی عیش و آرام ہیچ سمجھتے ہوئے اس انگریزی کہاوت پر کہ (First deserve & then desire) عمل کریں تو ہمارے اندر ایک عجیب طاقت پیدا ہو گی اور اس روحانی طاقت کے سہارے۔ ہم جسوقت اپنے اُدیشیہ کے لئے کھڑے ہونگے۔ دنیا کی کوئی طاقت ہمیں روک نہیں سکے گی۔ پہاڑ پر پڑی ہوئی برف کے لئے راستہ نہیں بنتا۔ لیکن جب وہ برف پگھل کر پانی کی شکل میں پہاڑ پر سے ناد کرتی ہوئی میدان میں آتی ہے تو سخت سے سخت چیزیں بھی اُسکے راستہ میں اگر چکنا چور ہو جاتی ہیں اور ساتھ ملکر بہتی ہیں۔ یہی حالت قوموں کی ہے جو قوم سداچار کی اتہی شکتی کو دھارن کر کے اٹھتی ہے سبکو اسکے سامنے سر جھکانا پڑتا ہے اور اُسکی تعریف کے گیت گاتے ہوئے یکزبان ہو کر کہنا پڑتا ہے کہ "قوم کا تاج اور جلال کیریکٹر ہے"!

اب ہمیں یہہ تحقیق کرنا ہے کہ زمانہ سلف کے رشیوں نے۔ دنیاوی اور روحانی ترقی کے سوال کو کسطرح حل کیا؟ شاستروں کے مطالعہ سے یہہ پتہ لگتا ہے کہ زندگی کو برہمچریہ - گرہست۔ بان پرستھ اور سنیاس آشرم چار حصوں پر تقسیم کیا گیا ہے۔ انمیں سے پہلا برہمچریہ آشرم ہے جو سب آشرموں کی بنیاد ہے۔ اسمیں بچہ کو آٹھ برس کی عمر سے لیکر کم از کم

۲۵ برس کی عمر تک گورو کل (جو آبادی سے کئی میل کے فاصلہ پر ایک درسگاہ ہوتی تھی) میں آچاریہ کے پاس بھیجدیا جاتا تھا۔ وہاں پر وہ جہاں ایکطرف جسمانی طاقتوں کو بڑھاتا تھا وہاں دوسری طرف اسکی روحانی و ذہنی طاقتیں بھی نشو و نما پاتی تھیں۔ تمام وِدیائیں وہاں پر سکھلائی جاتی تھیں اور راجا یا کوئی دولتمند شخص تمام ضروری سامان بہم پہونچانیکا انتظام کر دیتا تھا۔ وہاں رہکر لڑکا یہ سیکھتا تھا کہ ماتا کیطرف میرے کیا فرائض ہیں۔ پتا کی طرف میرا کیا دہرم ہے۔ دلیش مجھ سے کس بات کی اُمید رکھتا ہے۔ جاتی کی ضرورتیں کیا ہیں۔ ہر قسم کی تکالیف برداشت کرنیکا عادی بنتا ہوا۔ اندریوں کو جائز طور پر استعمال میں لانا سیکھتا تھا اور اپنی آئندہ زندگی میں ہر ایک کام کو بڑی قابلیت کے ساتھ مستقل مزاجی سے نبھاتا تھا۔ آچاریہ کا دھیان لڑکے کی روحانی جسمانی اور ذہنی تینوں قسم کی طاقتوں کو نشو و نما کرنے کی طرف یکساں ہوتا تھا۔ رشی اسبات کو سمجھتے تھے کہ سنسکاروں کا بڑا بھاری اثر ہوتا ہے۔ اور لڑکپن کا وقت ہی ایسا ہے کہ جیسے بالک کو جیسا چاہیں ویسا بنا سکتے ہیں جس سانچے میں ڈھالنا چاہو ڈھل سکتا ہے۔ اگر خراب سنسکار (اثرات) پڑگئے تو زندگی بگڑ گئی۔ اگر اچھے سنسکار ہوئے تو جیون سُدھر گیا اور یہی وجہ تھی کہ اُن سے تربیت یافتہ طالب علم دنیا کی کایا پلٹ دیتے تھے۔ جس کام کو ہاتھ لگاتے اسکو پورا کر کے چھوڑتے تھے۔

وہ یہہ جانتے بھی نہیں تھے کہ مشکلات کیا ہوتی ہیں اور دکھہ کسکو کہتے ہیں۔ گوروکل سے نکلے ہوئے شنکر برہمچاری نے بھارت ورش کے اندر نہیں نہیں سارے سنسار کے اندر اپنے خیالات کے لاکھوں انسان پیدا کئے۔ اکیلے لنگوٹ بند نے جین دہرم کو جڑھ سے ہلا دیا۔ اپنے اکھنڈ برہمچریہ کے پرتاپ سے کٹھن سے کٹھن موقعہ پر بھی نہ گھبرایا۔ ہمیشہ اپنے فرائض کی ادائیگی میں کمربستہ رہا۔ ایسی ہی سینکڑوں مثالیں ملتی ہیں۔ رشیوں نے زندگی کی بنیاد ہی ایسی رکھی تھی جس سے کہ انسان دونوں قسم کی ترقی پہلو بہ پہلو کرتا ہوا انجام کار موکش کے سچے آنند کو حاصل ہو سکے۔ انہوں نے ہر ایک بات کو ایسا صاف کیا تھا کہ انکی تحقیق کردہ باتوں میں کوئی خامی نہیں پائی جاتی۔ وہ اپنی زندگی کے معراج کو ہر دم پیش نظر رکھتے تھے۔ ہمیشہ اونچے بھاو انکے دلوں میں رہتے تھے۔ اور وہ جانتے تھے کہ "برہمچریہ کے ضائع کرنیسے۔ عمر۔ رعب۔ طاقت۔ سنی۔ عقل۔ ناموری۔ ثواب اور محنت یہ سب ضائع ہو جاتے ہیں" اسلئے وہ زندگی کی بنیاد برہمچریہ

آشرم سے رکھتے تھے۔ پرماتما کا ہم کس منہ سے شکریہ ادا کریں کہ جسکے بیحد فضل و رحمت سے بھارت ورش کے اندر ہردوار کے قریب گنگا کنارے گوروکل قائم ہو گیا ہے گویا سداچار اور آشرم دہرم کی بنیاد ڈالی گئی ہے۔ پرماتما اس پودے کا نگہبان ہو اور اسے سرسبز رکہے تاکہ سچے برہچاری پیدا ہو کر بھارت ماتا کے دکہہ دور کر سکیں اور ایکدفعہ پھر آریہ ورت اپنی کھوئی ہوئی عظمت کو حاصل کر کے اپنی بزرگی کا سکہ دنیا کی قوموں میں جما سکے۔

پیارے ناظرین! ہمنے ترقی کے سوال پر تواریخ کا سہارا لیکر اپنے خیالات آپکے روبرو پیش کئے ہیں۔ ہم آپ پر مستند شہادتوں اور نظیروں سے واضح کر چکے ہیں کہ ہر قسم کی ترقی کی بنیاد سداچار ہے۔ اگر ہم یہہ چاہتے ہیں کہ اس ملک کا پنر اُدہار ہو۔ اگر ہم چاہتے ہیں کہ آریہ ورت ترقی کے شکھر پر پہونچے تو سب سے پہلے ہمیں اپنی زندگیوں کے سدھار پر دہیان دینا چاہئے ہم ترقی کے خواہشمند تو ہیں لیکن ہمارا اپنا برتاؤ ان لوگوں سے جو طاقت میں دولت میں۔ مرتبہ میں ہم سے ادنےٰ ہیں کیسا برا ہے۔ ہم ان لوگوں کو شودر کہتے ہیں اور اُنسے نفرت کرتے ہوئے۔ نہیں چاہتے کہ انکی کچھ بھی ترقی ہو۔ مدراس میں شناروں کے ساتھ ہمنے کیسا برا سلوک کیا۔ دوسری ادنےٰ جاتیوں سے ہمیں کتنی بڑی نفرت ہے ہم انکو انسان ہی نہیں سمجھتے ہمیں یاد رکھنا چاہئے کہ ان نقصوں کو دور کئے بغیر ہماری کبھی ترقی نہیں ہوگی۔ کئی ہم میں سے اس قسم کے لوگ ہیں جو قسمت کے سہارے بیٹھ رہتے ہیں اور یہہ سمجھتے ہیں کہ جو کریگا ایشور کریگا لیکن یہہ ان بھائیوں کی بھول ہے کرم کرو۔ اُدیوگ کرو۔ وید کہتا ہے "انسان اس دنیا میں سو برس تک نیک کام کرتے ہوئے ہی جینے کی خواہش کرے"۔ قسمت یا پراربدہ کرموں کے پھل کا نام ہے۔ سر جان لببک فرماتے ہیں کہ "زندگی میں خوشی اور کامیابی ہمارے حالات پر منحصر نہیں بلکہ ہماری اپنی ہمت پر منحصر ہے"۔ ایشور چندر ودیا ساگر مفلس والدین کا لڑکا تھا۔ کسطرح اسنے ودیا پڑہی۔ کسطرح خطاب حاصل کئے۔ کیسی سادہ زندگی بسر کرتا تھا۔ دُکھیوں کے ساتھ کسطرح برتاؤ کرتا تھا اُنکے گھروں میں جا کر اُنکے دکھوں کو دور کرنے کی کوشش کرتا تھا۔ بیواؤں کی بیکس حالت کو دیکھکر اور انکی گریہ وزاری سنکر اسکے پاک دل پر سخت چوٹ لگی۔ انکی حالت سدہارنے کے لئے کیسی کوششیں کیں۔ مخالفوں نے اُسے جان سے مار ڈالنے

کی دہمکیاں دیں۔ جاتی کے لوگوں نے گالیاں دیں۔ لیکن وہ بہادر اپنی جگہہ سے ایک انچ بھی نہ ہٹا۔ شاستروں کے ہتھیاروں سے مسلح ہوکر وہ میدان میں نکلا۔ بڑے بڑے سخت لوگوں سے مقابلہ کرنا پڑا۔ لیکن اپنی دہن کو نہیں چھوڑا۔ ایسی آتماؤں کی ضرورت ملک کو ہے۔ مہرشی دیانند کی سوانحعمری کو اٹھاکر پڑھیئے۔ کیسا جتندریہ انسان تھا۔ کیسا عالم باعمل تھا۔ جب لیکچر دیتا تھا تو شیر کی طرح گرجتا تھا۔ دلائل عقلی اور نقلی سے اپنے بھولے بھٹکے بھائیوں کو کسطرح سمجھاتا تھا گویا اُسکا دل اُنکی جہالت دیکھکر دُکھت ہو رہا تھا۔ صداقت کا ایسا عاشق تھا کہ ایکمرتبہ ایک لڑکے نے سبھا میں اُنکی ایک غلطی نکالی۔ آپنے فوراً قبول کرلیا کہ بیشک یہہ مجھسے غلطی ہوگئی۔ ذرا بھی مان اپمان کا خیال نہیں کیا۔ بیخوف ایسا تھا کہ لاٹ صاحب اور دیگر بڑے بڑے آدمیوں نے انکو پرچار کرنیسے روکا اور کئی پران لینے کو تیار ہوگئے۔ لیکن اسکے دل پر یہہ لکھا ہوا تھا کہ ”آتما غیر فانی ہے اسکو ہتھیار نہیں کاٹ سکتا۔ اگ نہیں جلا سکتی“۔ وہ للکار کر کہتا تھا کہ پرماتما کی آگیا پالن کرنے کے لئے آیا ہوں۔ اودے پور کے مہارانا صاحب نے دہن کا لالچ دیکر انہیں بت پرستی کی تردید کرنیسے روکنا چاہا۔ لیکن وہ دنیاوی جاہ وحشمت کو ہیچ سمجھتے تھے اور دہرم کو سب کچھ۔ وہ اپنے مشن پر کمربستہ رہے ہزاروں نے انکی تعلیم سے فائدہ اُٹھایا۔ وہ ویدوں کی گمشدہ عالمگیر تعلیم کو دوبارہ سنسار میں پھیلا گئے اور گمراہ منشیہ جاتی کو ستیہ سناتن ویدک دہرم کا راستہ دکھا گئے انکے پاس کوئی فوج نہیں تھی نہ دہن تھا۔ ایک کوپین دہارن کئے اپنے برہمچریہ کے بل سے بیخوف شیر کیطرح پھرتے تھے وہ کونسی طاقت اُنکے پاس تھی جسکی وجہہ سے ہوتا انکے نزدیک پھٹکتا نہیں تھا اور لوگ اُنکے پاک بچنوں پر موہت ہوجاتے تھے۔

یہہ اثر برہمچریہ کا تھا۔ یہہ طاقت سداچار کی تھی۔ سداچار کی گُھر دگ اسکے ہاتھ میں تھی جسکے ہاتھ میں سداچار کا ہتھیار ہو دنیا میں کوئی اُسے ڈرا یا دہمکا نہیں سکتا۔ پروفیسر میکسملر رقمطراز ہے ”بہت سی خوبیاں ہیں جنکو حاصل کرکے انسان اپنی زندگی میں کرنے لائق کام کو کرنیکے قابل بن سکتا ہے۔ لیکن ایک وصف سب سے اعلیٰ ہے جسکے بغیر انسان انسان کہلانیکا مستحق نہیں جسکے بغیر حاصل کوئی بڑا کام کبھی عمل میں نہیں آیا۔ وہ وصف **صداقت** ہے۔ یعنی باطنی صداقت کا ہونا ضروری ہے تمام بڑے آدمیوں کی زندگیوں کو دیکھو کیوں ہم انکو بڑے اور نیک کہتے ہیں؟ اسلئے کہ وہ سچائی

کے عاشق تھے۔ وہ کہتے تھے تو اُسکے ساتھ زندگیاں بھی ویسی رکھتے تھے "ہم چاہتے ہیں کہ ہمیں حقوق حاصل ہوں لیکن جن فرائض کے ادا کرنے پر ہم اُنکو حاصل کرنیکے مستحق بن سکتے ہیں انپر ہمنے کبھی غور نہیں کیا۔ اگر ایک شخص چیف کورٹ کا جج بننا چاہتا ہے تو اسکو سمجھہ لینا چاہئے کہ ایسے اعلیٰ عہدہ پر ممتاز ہونے کے لئے اُسکی زندگی کیسی ہونی چاہئے۔ اگر وہ کوئی خراب کام کریگا تو بکثرت لوگ اسکے پیچھے چلتے ہوئے گڑھے میں گریں گے۔ اگر اُسنے اپنا سدھار کیا تو سینکڑوں کی زندگیاں وہ سدھار دیگا۔ ان باتوں کو جان لینا سمجھہ لینا اور انپر عمل کرنا نہایت ہی ضروری ہے جنکو اعلیٰ رتبے حاصل ہوئے ہیں اور جو لوگوں کے سدھار کا باعث ہوئے ہیں اُنکو ہزاروں لوگ مانتے ہیں یہہ صرف اُنکی اعلیٰ زندگیوں کا اثر ہے۔ اور کوئی جادو اُنکے پاس نہیں تھا۔ میٹھی بانی ہی وشی کرن (قابو میں لانیوالا) منتر ہے۔ جس سے دنیا قابو میں آسکتی ہے۔ کبیر۔ نانک وغیرہ جتنے مہاتما ہوگئے ہیں سب نے اپنی پاک زندگیوں کے طفیل تعظیم و تکریم حاصل کی اسلئے ہمکو یہہ یقین کر لینا چاہئے کہ ہر قسم کی ترقی کا راستہ ایک ہی ہے۔ یہہ راستہ ساری دنیا کے لئے ہے اسی شاہراہ پر چلکر دنیا کی قومیں اُٹھیں اور اب آریہ ورت بھی اُسی مارگ کا یاتری بنکر اُٹھ سکتا ہے۔ یہہ مارگ سدا چار یا کیریکٹر ہے اسکے سوائے اور کوئی راستہ نہیں۔ خاتمہ پر پرماتما سے ہماری پرارتھنا ہے کہ ہم سب لوگ اپنے آچرنوں کو سدھاریں۔ صبح و شام کی سندھیا کے وقت اپنی بُرائیوں کی پڑتال کرتے ہوئے ایک ایک کو جڑ سے اُکھیڑنے کی کوشش کریں اور اپنے آچرنوں سے دنیا کو دکھلائیں کہ ہم درحقیقت ترقی کے مستحق ہیں (ستیہ دیو)

اندر۔ جسکے دیدار کی کئی ماہ سے انتظار لگ رہی تھی یکم جنوری سنہ ۱۹۰۶ء سے نکلکر اپنی روشنی پھیلا رہا ہے آریہ مسافر بڑے تپاک سے اس نئے ہمعصر کا خیر مقدم کرتا ہے اور اُمید رکھتا ہے کہ اسے اندر سے اپنی دور دراز مسافت میں بہت سہارا ملیگی۔ آریہ پتر کا کی رائے میں جیسی اُمید تھی اندر ویسی ؛ آب و تاب کیسا تھ نہیں نکلا لیکن ہمارے معزز ہمعصر کو یہہ بھی تو خیال کر لینا چاہئے تھا کہ سورج کا پورا جاہ و جلال طلوع ہوتے ہی دنیا پر ظاہر نہیں ہو جاتا اسکا پرکاش بتدریج بڑہتا اور پھیلتا ہے۔ اسیطرح اندر بھی جیوں جیوں آگے بڑہیگا۔ تیوں تیوں زیادہ روشن اور چمکدار نظر آئیگا۔ مہاشہ دھرم پال جی جیسے قابل ایڈیٹر اور ڈاکٹر چرنجیو بھاردواج۔ مہاشہ رامدیو۔ اور پنڈت وشنو لال جیسے لائق فائق بھائیوں کے اندر کی قلمی امداد پر ہمہ تن مستعد ہوتے ہوئے کوئی وجہ نہیں کہ

اندر کی کامیابی میں شک کیا جائے۔ سالانہ قیمت مے۔ درخواست خریداری بنام منیجر اندر۔ آریہ بھون لاہور

محمڈن ازم اور بسنتی دیوی

تھیاسوفسٹوں کے انوکھے مہاتما کوٹ ہومی لال سنگھ کیطرح انکے سب مذاہب کو مبنی بر صداقت ثابت کرنیکا فلسفہ بھی بالکل نرالا ہے انکے پاس ایسی جادو کی چھڑی ہے کہ جسکے چھوتے ہی سچ جھوٹ بنجاتا ہے اور جھوٹ سچ۔ انکے منطق میں دو اور دو چار بھی ہوتے ہیں اور کم و بیش بھی۔ اپنی اس تھیاسوفی پر یہہ لوگ اسقدر نازاں ہیں کہ اُنہوں نے لغو سے لغو اور پوچ سے پوچ باتوں کو بھی سائنس کی روشنی میں عین صداقت ثابت کرنیکا ٹھیکہ لے رکھا ہے۔ ہندؤں میں اگر جن مسائل کی بڑے زور سے تائید کی جاتی ہے بودھوں میں جاکر انکی تردید ہو جاتی ہے۔ عیسایوں کے روبرو جن باتوں کی تعریف کے گیت گائے جاتے ہیں۔ محمدیوں کو خوش کرنے کے لئے انہیں پر پانی پھیر دیا جاتا ہے۔ غرضیکہ گنگا گئے گنگا داس اور جمنا گئے جمنا داس" کی ضرب المثل انپر عین صادق آتی ہے اس سوسائٹی کے بانی مبانی کرنیل الکاٹ صاحب کا یہہ عام شیوہ رہا ہے کہ بودھوں میں جا گھسے تو انکی باتیں کرنے لگے اور انہیں کا بھیس بھر لیا۔ ہندؤں میں آئے تو جنیو۔ چوٹی اور تلک دھارن کرکے کٹر ہندو بن بیٹھے۔ یہی حال مرحوم میڈم بلیوسکی کا تھا۔ انہیں کے نقش قدم پر شریمتی بسنتی دیوی چل رہی ہیں۔ انکو اپنی علمیت اور جادو بیانی پر اسقدر ناز ہے کہ اپنے خیال میں یہہ ہندو۔ مسلمان۔ عیسائی۔ جینی۔ بودھ ہر ایک کو اپنی جگہہ خوش کر سکتی ہیں۔ حال ہیں آپنے ایک لیکچر میں جو حیدرآباد دکن میں بحمایت اسلام دیا کثیر ازدواجی جہاد۔ حقوق نسواں وغیرہ کے متعلق وہ خیالات ظاہر کئے کہ جنکی وہ ہندؤں اور عیسائیوں کو خوش کن تقریروں اور تحریروں میں زور شور سے تردید کر چکی ہیں۔ یہہ ہے ہمارے سناتن بھائیو کا اُدّہار و سدہار کرنیوالی دیوی جو ویدوں اور شاستروں کا معمولی گیان بھی نہ رکھتی ہوئی ہندؤں کی لیڈر بن رہی ہے۔ جسکی تحریروں اور تقریروں کو وے پورانک لغویات کی تائید میں بڑے فخر کیساتھ بطور سند پیش کیا کرتے ہیں۔ ہندؤں کو تو بسنتی جی نے اس قسم کی حکمت عملیوں سے اپنے پیچھے لگالیا۔ لیکن مسلمان ان چالاکیوں سے باسانی قابو میں آنیوالے نہیں۔ ہندؤں کا گورو تو ایک معمولی چالاک آدمی بھی بن سکتا ہے۔ لیکن ایک غیر مذہب کا محمدیوں کا پیر یا امام بنجانا ذرا ٹیڑہی کھیر ہے خصوصاً ایک عورت کا جسکو کہ محمدی علم ادب میں شیطان کی نانی کالقب عطا کیا گیا ہے

الفطرت

ہم اپنے فاضل دوست مولوی سید الطاف حسین صاحب کاظم فرید آبادی کی خدمت میں کئی ماہ سے تقاضا پہ تقاضا کر رہے تھے کہ وہ آریہ مسافر کے کالموں میں ایک خاص سلسلۂ مضامین شروع کر کے اپنے عالمانہ خیالات سے ناظرین آریہ مسافر کو مستفید فرماویں۔ لعبض مخالف حالات کے باعث وہ ابتک ہماری درخواست کو شرف قبولیت نہیں بخش سکے تھے لیکن خوشی کی بات ہے کہ اب اُنہوں نے اپنی فراخدلی سے ہماری التماس کو منظور فرما کر ایک نہائت مفید و دلچسپ سلسلہ شروع کر دیا ہے۔ جسکا پہلا نمبر ذیل کا عالمانہ مضمون ہے۔ کاظم صاحب تحریر فرماتے ہیں کہ "یہ سلسلہ برس ڈیرہ برس میں شائد پورا ہوگا اور اسمیں قانون قدرت کی وسعت مذہب الہام۔ علم۔ اخلاق وغیرہ تمام متعلق پہلو طے کئے جاویں گے مگر کسی مذہب کی خصوصیت نہ ہوگی نہ طرز بیان میں مذہبی رنگ پایا جائیگا" ہم کاظم صاحب کی اس عنائت کیلئے تہ دل سے ممنون احسان ہیں اور اُمید رکھتے ہیں کہ ناظرین آریہ مسافر ان مضامین کو بڑی دلچسپی سے مطالعہ میں لائیں گے۔ ہمارا کاظم صاحب سے جہاں کہیں اختلاف رائے ہوگا اسکا اظہار ہم موقعہ مناسب پر کر دیا کریں گے معقول طور پر مہذبانہ پیرایہ میں کسی مضمون مندرجہ آریہ مسافر پر نکتہ چینی کرنیکا کا حق بلا لحاظ مذہب و ملّت ہر کسیکو حاصل ہے۔

دنیا میں فلسفہ کی ہوا چل رہی ہے اور سائنس کا دور دورہ ہے زمانہ ہزاروں میل آگے بڑھ گیا۔ ہر ملک میں عروج و

کمال کے بیلون ہوا سے باتیں کرتے پھرتے ہیں۔ قومیں ترقی کی ٹرینوں میں اُڑی چلی جا رہی ہیں۔ تاہم بہت سے لوگ ایسے ہیں کہ دور سے کھڑے ٹرینوں کا تماشا دیکھ رہے ہیں۔ اور پُرجوش طاقتور انجن میں کانگڑے والی جوالا دیبی کی شکتی جانتے ہیں۔ ان خوش اعتقادوں سے دوسرے درجہ پر وہ لوگ ہیں جو زمانہ کی اس ترقی پہ قدرت میں کوئی نظام وانتظام تسلیم نہیں کرتے اور نیچر کے نام سے ایسے بھڑکتے ہیں گویا ایک چھلانگ میں اُسکی حدود سے باہر ہو جائیں گے۔ حالانکہ عملی طور سے وہ بھی نیچر میں اسیطرح چاروں طرف سے گھرے ہوئے ہیں جیسے نیچر کے ماننے والے یا پانی میں مچھلی!!

جہانتک ہمکو معلوم ہے اس گروہ میں زیادہ وہ لوگ ہیں جو نیچر کا صحیح مفہوم نہیں سمجھے ہیں اگر انکو اس مسئلہ کی بداہت وقوت سے کماحقہ واقفیت ہو جائے تو اُمید ہے کہ وہ انکار نہ کر سکیں گے۔ اسلئے مناسب ہے ہم اُنکو نیچر سے انٹروڈیوس کرائیں جس سے وہ ایسا قوی و قریب تعلق رکھتے ہیں کہ گویا رات دن کا اوڑھنا بچھونا ہے مگر پھر بھی اجنبی ہیں۔

تمام علموں کی ماں۔ مذہبوں کی معیار۔ عقل کی دایہ۔ مشاہدہ وتجربہ کا اتالیق نیچر ہے جو اس کسوٹی پر کھرا اُترتا ہے۔ اُسکے کھرے پن میں شبہ نہیں۔ یہ جنرل لا کسی پولیٹکل پالیسی پر مبنی نہیں نہ اسمیں ترمیم کی گنجائش نہ مستثنیات کا دخل ہے۔ اسکے اصول صداقت وحقیقت ماگیبسی صاحب کے قائم کئے ہوئے نہیں۔ اسی لئے اسکا فیصلہ ناطق ہے۔ اسکے حدود حکومت اسقدر وسیع ہیں کہ یہ تمام ربع سکون اسکا ایک لوئر ڈپارٹمنٹ ہے ہر براعظم میں اسکا سکہ چلتا ہے۔ اور دنیا کے ساتوں سمندروں میں اسکے فتحیاب جنگی جہاز گڑگڑاتے اور جھنڈے اُڑاتے پھرتے ہیں؛ جب سے انسان نے صحیفۂ فطرت کا مطالعہ شروع کیا ہے۔ یہی دیکھا ہے کہ آگ ہمیشہ جلاتی ہے پانی نشیب کیطرف جاتا ہے۔ سورج روز صبح کو ایک طرف سے نکلتا ہے اور شام کو دوسری طرف جا ڈوبتا ہے۔ چاند کے گھٹنے بڑھنے کا طریقہ کبھی نہیں بدلتا؛ پودے بیج سے پیدا ہوتے ہیں اور بیج پودوں میں لگتے ہیں۔ وزنی چیزیں اوپر سے زمین پر آپڑتی ہیں۔ رات دن کا دورہ موسموں کا تغیر وتبدل۔ جانداروں کا توالد وتناسل؛ اجرام واجسام کی رنگارنگ کیفیتیں غرض عالم موجودات کے تمام کاروبار بالکل معینہ طور پر ہو رہے ہیں اور کبھی اُنمیں فرق نہیں آتا۔ آج جس سبب سے

ایک نتیجہ پیدا ہوتا ہے۔ ہمیشہ اس علت سے وہی معلول ظاہر ہوگا۔ کبھی ایسا نہیں ہوتا کہ برف کی ڈلی سے ہمارا ہاتھ جل جائے۔ اور آگ سے ہم کپڑا دہو لیں اسی کو ہم نظام کہتے اور اس تمام منتظم عالم موجودات کا نام نیچر یا فطرت اللہ ہے؛

نظام یا قانون قدرت کو ہم زبان سے مانیں یا نہ مانیں مگر اسکی تصدیق ہمارے ضمیر میں ہے کوئی کتنا ہی منکر ہو۔ عملاً زبان حال سے اُسکو صاف لفظوں میں تسلیم کر رہا ہے۔ جہاں دُھواں اُٹھتا دیکھتا ہے فوراً بول اُٹھتا ہے۔ وہاں ضرور آگ ہے؛ جہاں مُشک یا کیوڑہ کی خوشبو پاتا ہے۔ سمجھ لیتا ہے کہ یہاں کہیں مُشک دھرا ہے یا کیوڑہ کا شیشہ رکھا ہے کبھی لہسن کا شبہہ نہیں کرتا کیوں؟ حق الیقین کے درجہ پر جانتا ہے کہ ہمیشہ مُشک سے مُشک کی خوشبو اور لہسن سے لہسن کی بو آئی ہے اسکے خلاف ناممکن ہے اس یقین کا نام اذعان ہے اور بے شبہہ یہ اذعان ہی موجودات عالم میں قانون یا نظام کا اقبال ہے

اگر آپ اپنے کسی دوست سے جو آپکو نہایت ہی راستباز صادق القول جانتا ہو۔ مگر قدرت میں قانون کا قطعی منکر ہو۔ بکمال وثوق کے پیرایہ میں یہ فرمائیں کہ آج ہمنے ایک بندر دیکھا ہے جسکے سر پر بڑا بھاری پیپل کا پیڑ تھا۔ جب وہ دیواریں پھلانگتا پھرتا تھا تو پٹر پٹر پیلیوں کا مینہہ برستا تھا۔ لڑکے پیلیاں کھانے کے لالچ سے اسکو بھگائے بھگائے پھرتے تھے درحقیقت پیلیاں بھی ایسی شیریں اور لذیذ تھیں گویا انمیں شہد و خشخاش بھرا ہوا تھا۔ تو وہ اس انمل کو تشکر ہرگز باور نہ کریگا اور جسقدر آپ زور کے ساتھ یقین دلائیں گے۔ اسکی حیرت زیادہ ہوتی جائیگی ؛ "اس حیرت کا باعث کیا ہے۔ وہی عالم میں نظام ہونیکا عین الیقین بیشک ہمارے اور آپکے دوست کے علم میں بُعد المشرقین ہے وہ خدا کی قدرت کو کسی قانون کا محتاج نہیں جانتا اور ہم بے نظام قدرت کو اُسکی حکمت و رحمت سے بعید سمجھتے ہیں لیکن دونوں کے عمل یا اذعان میں سرمو تفاوت نہیں ہے۔ جسطرح ہمنے بندر کی مثال دی ہے۔ امیر خسرو دہلوی کی جدت طبیعت نے انمل ایک عجیب ایجاد کیا تھا۔ یہ شگوفہ تھی، پہیلیوں کہہ مکرنیوں میں سب سے بڑھ چڑھ تھا۔ وہ چند بے میل چیزوں کو ایک فقرہ میں جوڑ دیتے تھے۔ جو عام اذعان کے خلاف ہوتی تھیں اور سننے والے کو بیساختہ

ہنسی آجاتی تھی۔ مثلاً "چیل لبسولا لیگئی میں کاہے سے پھٹکوں راب" چیل ایک شکاری پرندہ کا گوشت کے چھچھڑے کی طرح لوہے کا بسولا اُٹھا لیجانا۔ اس سے چھاج کی محتاجی ہونا اور راب کا بے پھٹکے رہ جانا جو کسیطرح اناج کیطرح پھٹکنے کی چیز نہیں ہے۔ یہ سب باتیں ہر شخص کے مشاہدہ کے قطعی خلاف ہیں اسلئے یہ الفاظ کان میں پڑتے ہی فوراً دل میں گدگدی کرنے لگتے ہیں۔ اگر ذرا سائنٹیفک نظر سے دیکھئے تو اس خاص رنگ کے ایجاد کا باعث بھی نظام کا یقین ہے۔ اگر یہ اذعان انسانی ذہن میں نہ ہوتا تو نہ امیر خسرو یہ بے جوڑ چیزیں جوڑ سکتے نہ سننے والوں پر ایسا اثر ہوتا کیونکہ بے جوڑ ہی نہ معلوم ہوتیں۔

یہ اذعان اور یہ نظام ہی گویا دنیا کی مشین کے وہ بہت زبردست پُرزے ہیں انمیں سے ایک بھی نکلجائے تو یہ کل چلتی چلتی ایکدم ٹھہر جائے اور تمام کارخانہ درہم برہم ہوجائے؛ خداتعالیٰ نے اپنی سہولیت اور ضرورت سے نہیں بلکہ رحمت سے محض ہمارے لئے ہر شے کے خواص کو دوامی پیدا کیا ہے جو کبھی نہیں بدلتے۔ اور ہمکو ہرگز دھوکا نہیں دیتے۔ اگر آگ میں پانی کے خواص دفعتہً ہوجایا کرتے اور پانی میں آگ کے تو انسان کو پیٹ بھرنا دشوار ہوجاتا۔ موسموں کے تغیرات میں ترتیب نہ ہوتی تو فصلیں بونی کاٹنی ناممکن ہوجاتیں۔ زمین کی کشش اگر دوامی نہ ہوتی تو اوپر کی چیزیں زمین پر نہ گرا کریں۔ بلکہ نہایت ادنیٰ دقت یہ ہوتی کہ کنوئیں میں پانی تک ڈول پہونچانے کے لئے ایسے ہی آلات کی ضرورت پڑتی جسطرح اب پانی نکالنے کے لئے واٹر پمپ وغیرہ کی؛

کسان چاک پر سے بھاری چرس کے بارے لیا کرتا ہے اور جانتا ہے کہ چاک اُتار ڈالیں تو یہی چرس تین جوڑی بیل بھی مشکل سے شائد کھینچ سکتے ہیں۔ ٹھیلہ والا منوں بوجھ لادکر منزل پر پہونچا دیتا ہے اور سمجھتا ہے کہ ٹھیلہ کے پہیے نکال دئے جائیں تو میرے بیل اسکا تہائی چوتھائی وزن بھی نہیں کھینچ سکتے۔ ہمکو علم ہے کہ یہ اُنکا علم جرثقیل کا ہے۔ لیکن کسان نہ گاڑی بان اس سے مطلق واقف ہیں۔ بالکل اسیطرح قانون قدرت کے منکر بھی عملی طور پر نظام کا یقین رکھتے ہیں اور نیچر کی برکتوں سے ہماری طرح فیض پاتے ہیں۔

کمال انسان کا شہباز جس اوج پر اُڑ رہا ہے اُسکے بازوؤں میں اسی اذعان کا زور ہے اور بلا مبالغہ یہی انسانی ترقی کی روح ہے۔ لوہار اگر لوہے کے اور بڑھئی لکڑی کے خواص

BIKHRE KHIYALAT

(Urdu Translation of Iqbal's Diary)

STRAY REFLECTIONS

by

Dr. Abdul Haq
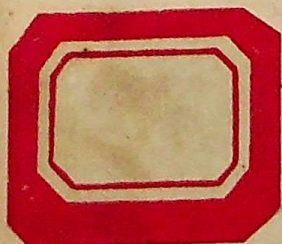
RDU DEPARTMENT
Delhi University Delhi.